وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

عقیدۃ المحدثین

علٰی

حیوۃ النبیین

تالیف:

حضرت مولانا سید میرک شاہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ

قال الله رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده

جزء
ما ورد فی
عقیدة المحدثین
علی
حیوة النبیین

تالیف

عبدہٗ الاواہ محمد مختار الله المدعو الشاہ میرک شاہ الاندرابی عفا الله عنہ و عافاہ

وقد ثبت

عن النبی صلی الله علیه وسلم: ابکم مثلی الم ان الله حرم اجساد الانبیاء علی الارض الم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون - مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا سید میرک شاہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک جید اور متبحر عالم دین تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۱۸ء میں فراغت حاصل کی۔ دربھنگہ، مراد آباد اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے رہے۔ ملکانہ راجپوتانہ میں جب شدھی کی تحریک چلی تو دارالعلوم کے تبلیغی وفد میں آپ بھی شریک تھے۔ آپ کی جدوجہد نے مسلمانان علاقہ کو ارتداد سے محفوظ رکھا۔

بعد میں آپ لاہور آ گئے اور جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ کے آپ صدر المدرسین بھی رہے۔ جیسا کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند از جناب سید محبوب رضوی ج ۲ ص ۱۳۲ پر تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

آپ نے ''عقیدۃ المحدثین فی حیوۃ النبیین'' رسالہ تحریر فرمایا جسے کتاب خانہ پنجاب لاہور ۲۶ بیرون دروازہ نے شائع کیا۔ اس رسالہ کو مولانا اعزاز علی کتب خانہ عزیزیہ دیوبند سے بھی شائع کرنا چاہتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس رسالہ کو ملاحظہ فرمایا افسوس کہ مصنف کے ہمیں زیادہ حالات سے آگاہی نہ ہو پائی۔ آپ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ لاہور میں تدریس کے زمانہ میں وصال فرمایا۔ لاہور ہی میں تدفین ہوئی۔ اس مجموعہ میں اس علمی دستاویز کو شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

یہ رسالہ جو ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، صرف ان مسلمانوں کے لئے اردو زبان میں تالیف کیا گیا ہے جو نقول صحیحہ کو سند مان لیتے ہیں، احادیث نبویہ کے منکر نہیں۔ کتاب وسنت کی پیروی واتباع کے دلدادہ ہیں، اور مادہ پرستی یا یورپین ملاحدہ کے طرز فکر نے ان کو اس کا عادی نہیں بنایا ہے کہ ہر بات میں اپنی عقل وخرد ہی کو معیار صداقت قرار دیں۔ اس لئے صرف اہل سنت وجماعت کو اور کتاب وسنت کے ماننے والوں کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

اس رسالہ میں مؤلف نے صرف منقولات کو پیش کیا ہے اور صحت وثبوت یا تشریحات سے متعلق بھی نقول ہی سے کام لیا جو اہل فن بلکہ ماہرین فن سے قابل اعتبار ذرائع سے لے کر درج کئے گئے اور اپنی طرف سے نہ تو کوئی دعویٰ پیش کیا اور نہ ہی اس کی تالیف سے کسی فرقہ کا رد یا حمایت مقصود تھی بلکہ مسئلہ کی تحقیق اور حسب امکان اس کے متعلق مختلف مباحث کو اور متعلقہ احادیث کو ایک جگہ جمع کرنا پیش نظر رہا۔ یہ سارا ذخیرہ عربی میں تھا اور علماء وائمہ حدیث نے اس کے ساتھ غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا تھا، متعلقہ روایات کو کتب حدیث میں درج کر کے ان کی تطریق اور رواۃ کی تعدیل وتنقید میں کافی سے زیادہ اپنے قیمتی اوقات کو صرف کیا تھا یہاں تک کہ فن حدیث پر وسیع ترین عبور رکھنے والے اکابر نے خاص طور سے صرف اس مسئلہ پر مستقل تصانیف کو ان احادیث کے لئے وقف کیا اور صحت وثبوت حدیث سے متعلق فنی مہارت سے کام لے کر تمام پہلوؤں کو زیر بحث لا کر انجام کار اس پر متفق ہو گئے کہ حیات انبیاء سے متعلق حدیث نبوی ﷺ کا ثابت وصحیح ہونا مسلم ہے، جس کے بعد علماء وائمہ حدیث نے اس عقیدہ کو اپنایا اور تمام ائمہ مذاہب متبوعہ اور سبھی علماء اہل سنت ہی ان کے ہمنواہ ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مسئلہ اہل حق میں بدوں کسی اختلاف کے مقبول ومسلم رہا۔ اسی جذبہ کے ماتحت مؤلف نے یہ رسالہ مرتب کیا اور ائمہ حدیث نے عربی میں جو کچھ اس بارے میں فراہم کیا تھا، اس کو عربی سے اردو میں جہاں تک ہو سکا اختصار کے ساتھ تطویلات سے محترز ہو کر منتقل کر دیا تا کہ اردو دان اہل حق کو اس مسئلہ کے بارے میں محدثین اور سلف صالحین کا عقیدہ اور اس عقیدہ سے متعلق دلائل ومسائل اور روایات کا معلوم کرنا ممکن وآسان ہو جائے۔

اس مسئلہ پر مختلف گروہوں کی طرف سے خامہ فرسائیاں بلکہ ہنگامہ آرائیاں بھی ہوئی ہیں اور رد وکد میں یا طعن وتشنیع میں بہت سا وقت ایسے لوگوں نے ضائع بھی کیا ہے جو اپنے وقت کو "تو تو، میں میں کرنے میں" صرف کرنا اپنے وقت کا بہترین مصرف خیال کرتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ جدل اور مناظرانہ رنگ میں یا فریق مخالف کو پچھاڑنے کی سعی میں کیا گیا ہے۔ اس لئے ایسی باتوں کو رسالہ ہذا میں نظر انداز کیا گیا۔ کیونکہ یہاں صرف مسئلہ کی تحقیق (اور وہ بھی نقلا) منظور نظر تھی۔

میں نے یہ رسالہ سب سے پہلے حضرت الشیخ مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ شیخ الفقہ والادب دار العلوم دیوبند کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ حضرت ممدوح نے اسے پسند کیا اور اس کے طبع کرنے پر بے حد زور دیا اور اس کی اہمیت کے پیش نظر باوجود اس کے کہ بہت ہی عدیم الفرصت تھے اپنی نگرانی میں اس کی طباعت کا انتظام کرنا قبول فرمایا بلکہ کچھ حصہ کاپی نویس سے لکھوا بھی دیا تھا مگر چاہتے تھے کہ کاپیوں کی تصحیح میں خود کروں اور چونکہ اس موقع پر

بعد مسافت کی وجہ سے کاپیاں صرف بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچ سکتی تھیں۔ اس لئے موسم کی خرابی اور بعد مسافت کے علاوہ میری عدیم الفرصتی کی پیدا کردہ غیر معمولی تاخیر و دیگر اس جیسے کچھ امور اس میں مخل ثابت ہوئے۔

پھر ۱۹۵۵ء میں اس رسالہ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز نے دیکھا اور مطالعہ کے لئے اپنے پاس چند دنوں تک رکھ کر فرمایا کہ یہ رسالہ بہت مفید ہے اور ہمارے عقائد و مسلک کے مطابق ہے اس کو جس قدر جلد ہو سکے چھاپ دیجئے۔ (افسوس ہے کہ دونوں بزرگوں کی زندگی میں رسالہ چھپ نہیں سکا)

اس مسئلہ میں امت محمدیہ ﷺ کے اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نص قرآنی (کل نفس ذائقة الموت، انک میت و انهم میتون) کے مطابق موت دنیاوی سے دوچار ہو گئے اور آپ ﷺ کے انتقال ظاہری اور وفات جسمانی کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغلوب الحال ہو کر آپ ﷺ کی وفات کے موقع پر انتقال کے قائل ہونے والوں کو سختی سے ٹوکا تھا۔[1] لیکن سید الصدیقین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے انک میت و انهم میتون کی آیت کی تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر حاضرین نے وفات کا یقین کیا اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

پھر یہ مسئلہ بھی اہل سنت کے یہاں مسلمات میں سے ہے کہ ہر میت کو عالم برزخ میں دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور یہ کہ روح پر موت طاری نہیں ہوتی بلکہ بدن اور روح کے اس ارتباط کا زائل ہونا جس کا اثر حیات بدن ہوا کرتا ہے موت کہلاتا ہے اور اسی ارتباط کے زوال کے بعد وقوع موت کے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ یعنی نکاح منقطع ہوتا اور ترکہ کی ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ! مگر زمرہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے انتقال کے بعد بھی کچھ خصوصی امور وابستہ رہتے ہیں جو عموماً وقوع موت کے بعد قائم نہیں رہا کرتے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے نکاح کا عدم جواز اور املاک کا وارثوں میں تقسیم نہ ہونا اور آپ ﷺ کی مملوکات کی آمدنی سے خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی طرف سے ازواج مطہرات کا نان و نفقہ ادا کیا جانا، اجساد انبیاء کا زمین پر حرام ہونا، دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام کا تا قیامت زندہ رہنا، یہ ایسے امور ہیں کہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ خصوصیت بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ عام انسانوں کی حیات و ممات سے اسی طرح شہداء کی حیات و ممات سے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات و ممات کی نوعیت جداگانہ ہے (و کم طیر یطیر و لا کبازی) اس لئے ارباب تحقیق اور علماء حقائق نے مذکورہ امتیاز کی بنیادی کائنات کی تلاش کی جس کے بعد ارباب تحقیق نے ممات کو ممات مستمر اور ممات غیر مستمر میں تقسیم کرنے کے بعد ممات غیر مستمر کو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت قرار دیا مگر ان کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ موت سے دوچار ہو گئے مگر موت غیر مستمر سے کیونکہ وفات کے بعد آپ ﷺ کو عالم قبر میں پھر زندہ کیا گیا جس کے بعد قبر میں زندہ ہیں، اس زمرہ کی تحقیق کو رسالہ ہذا میں کتاب شفاء السقام، شرح جامع الصغیر، تحفۃ الذاکرین وغیرہ کی عبارات میں بالفاظہا درج کیا گیا ہے اور علماء حقائق میں سے مشہور و معروف حقائق شناس حضرت قاسم الخیرات رحمہ اللہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ ممات و حیات دونوں وجودی ہیں اور یہ کہ ان میں تضاد ہے تناقض

---

[1] کما فی الحدیث سالم الطویل "لم ان رسول اللہ قبض فقال عمر واللہ لا اسمع احد" یذکر ان رسول اللہ قبض الا ضربتہ بسیفی ھذا الحدیث (شمائل ص ۲۹)

نہیں۔ اس لئے من جہتین مختلفین ان کا اجتماع محال نہیں اور یہ کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی صفت ذاتی ہے اور ممات صفت عارضی، اسی کو آپ نے حیات انبیاء کی امتیازی شان قرار دے دیا یعنی انبیاء علیہم السلام پر جب موت طاری ہوتی ہے تو وہ ان کی صفت ذاتی کے ساتھ مجتمع ہو جاتی ہے اور حیات ذاتی و ممات عارضی کا اجتماع ہو جاتا ہے لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ ممدوح اس بات کے قائل ہیں کہ: ''ایک لمحہ کے لئے بھی موت مستعارف بمعنی انفکاک الروح عند الجسد آپ پر طاری نہیں ہوئی۔'' بلکہ مسلک قاسمی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا میں وفات پائی مگر وفات کی نوعیت عام لوگوں کی وفات کی نوعیت سے متفاوت ہے، جیسا کہ ملفوظات ذیل سے ظاہر ہے۔

۱...... ہمچناں حیات انبیاء و موت آن کبش را کہ روز جزاء مین الجنۃ والنار ذبح کردہ خواہد شد۔ ذاتی[1] باید دانست۔ الخ! (فیوض قاسمیہ ص ۱۸)

۲...... وقتے[2] کہ کیفیت حیات جسمانی و روحانی اوشان چنیں باشد در صورت عروض موت حاجت انفکاک حیات از اجسام ہیچ نیست بلکہ نشاید آنچہ تصورش بہر اطمینان خاطر در بارہ اجتماع حیات و موت کہ اول بوجہ دلائل معروضہ واجب التسلیم است و دوم بوجہ ارشاد کل نفس ذائقۃ الموت و ہدایت انک میت و انہم میتون واجب الایمان ضروری است ایں است کہ چنانچہ اجتماع برودت ذاتیہ و اجتماع حرارت خارجیہ از آب گرم مشہود است یا اجتماع نور اصلی و ظلمت عرضی در شمس وقت کسوف یا اجتماع نور قمر کہ سواء اوقات خسوف دائمی است و ظلمت اوقات ابر کہ بہ نسبت آن عرضی است معلوم ہمچناں اگر اجتماع حیات ارواح اوشاں با موت آنہا و اجتماع حیات اجسام اوشاں با موت آنہا باشد چہ حرج است۔ الخ! (فیوض قاسمیہ ص ۲۰)

۳...... وقت مشاہدہ آثار موت انبیاء علیہم السلام باجتماع موت عرضی حیات ذاتی ایمان باید آورد۔ (ایضاً)

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ ارباب تحقیق علماء حقائق کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء دنیاوی موت سے دوچار ہونے سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ البتہ جس طرح طبقہ انبیاء گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح ان کی موت اور حیات بعد الممات کی نوعیت بھی جداگانہ ہے۔

اثر

تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس رسالہ کے بار بار پڑھنے یا سن لینے سے قارئین و ناظرین اور سامعین کو آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی محبت وازدیاد محبت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح درود شریف کا اشتیاق بھی بڑھ جاتا اور نبی کریم ﷺ کی روحانیت کے ساتھ خاص ارتباط پیدا ہو جاتا ہے۔ آداب و شرائط کی پابندی کے ساتھ پڑھ کر دعاء کی سرعت اجابت و دیگر مبارک آثار بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔ واللہ الموفق!

مؤلف

---

[1] یعنی جب غیر انبیاء کی حیات ذاتی نہیں لہٰذا انبیاء علیہم السلام پر طریان موت کی نوعیت جداگانہ ہوگی۔ منہ

[2] اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ میں چار مرتبہ حضرات انبیاء سے متعلق موت کا ذکر کیا گیا ہے اور دو آیتیں قرآن عزیز کی درج کی گئیں جن سے دنیا میں ایک مرتبہ انبیاء کی وفات کا وقوع مان لینا واجب الایمان قرار دیا ہے جو وقوع موت کا اعتراف صریح ہے۔

جزء[1] ماوردفی عقیدہ المحدثین علیٰ حیاۃ النبیین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

نوع[2] انسانی میں طبقہ انبیاء کو جس فوقیت وبرتری سے ممتاز بنادیا گیا ہے وہ اس قدر بلند ہے کہ دوسروں کے طائر خیال وآرزو کی پرواز اس کے حصول کے قرب ورسائی سے عاجز وقاصر ہے، پھر اس فوقیت کے کائنات میں کچھ فضائل وہ ہیں جو ہمارے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اور دوسرے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان مشترک ہیں۔ انہی کا قائل کرنے کے لئے امت کو لانفرق بین احد من رسلہ کے موافق ایمان رکھنے کا مکلف بنادیا گیا اور بہت سے مخصوص[3] کمالات ایسے ہیں کہ ان میں دوسرے انبیاء ومرسلین صلوٰات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین میں سے کوئی بھی جناب خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ اس کا اعلان وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا کے منشور ربانی نے فضائے عالم کے اندر نشر کردیا اور تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض میں اسی کی تاسیس بطور اصل کلی کے کردی گئی۔ ان دونوں میں سے مقدم الذکر کا تعلق حقیقت نبوت اور موخر الذکر میں حقیقت محمدیہ کی کائنات ارباب بصیرت کو نظر آتی ہے جس کی جامعیت[4] کی یہ شان ہے کہ نبوت واصطفاء اور رسالت واجتباء کے جملہ شئون کو اس نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔

---

[1] جزء الخ یہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے، کسی مسئلہ پر احادیث کو کسی رسالے میں جمع کرنا محدثین وائمہ حدیث کا معمول ہے ایسے رسالے کو وہ جزء کہتے ہیں۔ جیسا کہ جزء رفع الیدین۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے کا نام تجویز کیا ہے۔ جس میں آپ نے صرف مسئلہ مذکورہ کی احادیث کو جمع کیا ہے۔

[2] اس رسالے میں طبقہ انبیاء ومرسلین سے متعلق ان احادیث کا ذخیرہ مع اقوال سلف صالحین وائمہ محدثین کے جمع کیا گیا ہے جس سے اس گروہ عالی مقام کا عالم قبر سے متعلق حال معلوم ہوگا۔ اس لئے ابتداء میں اس طبقہ کرام کا ذکر اجمالا کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی نوع میں یہ زمرہ بہ ممتاز ہے اور یہ امتیاز ورفعت مرتبہ ان کے جسمانی پہلو کے لحاظ سے بھی ثابت ہے اور روحانی پہلو کے لحاظ سے بھی مسلم۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کی لطافت کو عام لوگوں کی ارواح کی لطافت سے بھی زیادہ اور بالاتر مان لیا گیا ہے۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو جان پاکی سربسر نے آب وخاک اے نازنین

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''انسان کامل نزدیک ما نوع علیحدہ ہست درمیان اصناف انسان چنانشہ انسان نوع علیحدہ است درمیان ابناء جنس خویش۔'' (الطاف القدس مطبوعہ مطبع احمدی ص ۷۱ واقع کلاں محل دہلی)

کنز العمال میں ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اجساد الانبیاء نابتۃ علی اجساد الملائکۃ'' (ذکرہ فی الفیض ص ۲۵۱) وقال اسنادہ ضعیف قلت وھو مقبول فی الفضائل پھر جو حالات انبیاء کے عموماً اور سید عالم ﷺ کے خصوصاً بتواتر ثابت ہیں۔ اس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ان کے اجسام کا عروج سماوی، عرق کا معطر ہونا فضلات شریفہ کی خوشبو کا عطر سے بھی زیادہ معطر ہونا وغیرہ وغیرہ! اوران کا (انبیاء علیہم السلام) قبور میں زندہ اور مشغول بہ نماز وغیرہ ہونا جس راستے سے آپ علیہ السلام چلتے اس کا خوشبو کی مہک سے بھر جانا۔

[3] اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ زمرہ انبیاء ومرسلین نوع انسانی کے باقی تمام زمروں سے برتر ہیں۔ پھر یہ برتری بھی متنوع ہے۔ اس کا ایک قدر مشترک وہ ہے جو سب انبیاء میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی لئے جو کمالات دوسروں میں الگ الگ موجود تھے، خاتم النبیین ﷺ کے وجود مسعود میں وہ سب ہی مجتمعاً پائے گئے۔ یہی ہمہ گیری ہے کہ جس نے مراتب کلیم اللہی ومدارج مسیحائی کے علاوہ آدم کی صفوت اور خلیل اللہ کی خلت بلکہ زمرہ انبیاء کے تمام محاسن وکمالات کی کل کائنات کا مظہر اتم آپ ﷺ کی ذات جامع الصفات کو بنادیا ۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری خط سبز ولب لعل و رخ زیبا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری شیوہ شکل و شمائل حرکات و سکنات

اس کے علاوہ جو خصوصی کمالات آپ ﷺ کے ہیں وہ اور کہیں نظر نہیں آتے اور نہ ہی زبان وقلم ان کی شرح وبیان کو احاطہ تقریر وتحریر میں کما ینبغی محصور کر سکتے ہیں۔ ہاں! اجمالاً یہ کہنا ممکن ہے کہ حقیقت مذکورہ اس انسانی اکملیت کا نام ہے جس سے بالاتر اور جس سے ارفع دائرہ تخلیق میں کوئی بھی درجہ نہیں ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر لا یمکن الثناء کما کان حقہ

اسی کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیینؑ بھی ہیں اور عدیم النظیر بھی واقع ہوئے ہیں ۔

مہر بتاں در زیدہ ام آفاق ہا گر دیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) مثلاً یہ کہ وہ سب کے سب قبور میں زندہ ہو کر نماز میں مشغول ہیں یا یہ کہ وہ سب کے سب نبوت سے نوازے گئے ہیں۔ ان کے اجساد میں خاص قسم کی لطافت وپاکیزگی ودیعت رکھی گئی ہے۔ پھر ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان ان سب میں مزید شرف وکمال اور فضل وجمال سے بہت ممتاز تر ہے۔ مثل اس کے کہ جو جزئی فضائل کسی نبی وہ مرسل میں انفراداً موجود تھے وہ سب کے سب مجتمعاً آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی ﷺ وہ خصوصیات ہیں جو آپ کے سوا کسی اور پیغمبر میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تو اس زمرۂ عالی مقام کی شان کمال ہے اس سب ہی کو رسالہ ہذا کا موضوع قرار دینا اس لئے مشکل ہے کہ یہ موضوع کسی ضخیم ومبسوط کتاب ہی میں سما سکتا ہے اور یہ رسالہ ایک مجالہ اور نہایت مختصری تالیف ہے اس لئے اس میں اس زمرۂ عظیم الشان کے صرف ایک امر کو جو ان سب میں قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے، موضوع بنایا گیا ہے، (یعنی حیات انبیاء فی القبور کو) اور اسی سے متعلق احادیث واقوال سلف صالحین کو اس میں پیش کیا جائے گا۔ دوسرے بہت سے ایسے مسائل بھی ضمناً آئیں گے جو علی العموم علماء سے بھی اوجھل ہوتے ہیں۔ مگر اس سب کا تعلق نقل سے ہے جس کی صحت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ منہ

ہے حدیث سے ثابت ہے جو کمال بھی کسی پیغمبر میں جزئی فضیلت کے طور پر تھا، وہ ضرور رسول اللہ میں بھی پایا گیا ہے جو فضائل سب میں منتشر تھے، آپ میں وہ سب مجتمعاً موجود تھے۔ یہیں کیفیت جامعیت یہاں مراد ہے: قال رسول الله في حديث طويل ان ابراهيم خليل الله وهو كك وان موسى نجي الله وهو كك وان عيسى روح الله وهو كك وان آدم اصطفاه الله وهو كك الا وانا حبيب الله ولا فخر الحديث۔ حبیب اللہ کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ اس میں دوسری سب فضیلتیں مجتمعاً پائی جاتی ہیں۔ ۱۲ منہ

لے انبیاء سب کے سب کامل ہوتے ہیں اور علماء حقائق کے نزدیک انسان کامل کا زمرہ ایک الگ صنف یا نوع ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ الطاف القدس مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۷ جس میں موصوف فرماتے ہیں۔ انسان کامل نزد ما یک نوع علیحدہ است در میان اصناف انسان الخ اور رسول اللہ ﷺ کو مرتبہ اکملیت حاصل ہے اور اس میں تعدد نہیں ہو سکتا ورنہ اسے اکملیت کہنا غلط ہوگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ خاتم النبیین ہوئے۔ اسی طرح آپ ﷺ جیسا کوئی اور نہیں ہوگا۔ اس لئے آپ عدیم النظیر ہیں۔

اور اسی اکملیت کی جھلک کبھی کبھی نمودار ہوئی تو دیکھنے والوں کی عقول عالم حیرت میں خیرہ و ششدر رہ گئیں۔
چنانچہ: دست[1] قدرت کی آبیاری نے آپ ﷺ کو مصداق ''الم نشرح'' بنا دیا تو عالم پست و بالا کی کائنات پر مطلع ہو کر ''علمت مافی السمٰوات والارض'' فرما گئے اور ''علمک مالم تکن تعلم'' کے فیض باری سے مستفیض ہوئے تو دانش کے دریا بہا دیئے اور ''بدء[2] خلق'' سے لے کر دخول جنت و دوزخ تک کے واقعات اور قیامت تک کے ہونے والے[3] حالات کو مسلسل بیان کر دیا۔

ای گویا بزبان فصیح از الف آدم و میم مسیح (نظامی)

نصوص[4] صحیحہ بتاتی ہیں کہ انتخاب در انتخاب کے بعد آخری انتخاب کا قرعہ قدرت نے صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ختم کر دیا۔ اسی لئے جس طرح اپنے خصائص معنوی میں آپ ﷺ بے نظیر ہیں۔ اسی طرح محاسن ظاہری میں بھی آپ بے مثال ہیں۔ محاسن ظاہری و معنوی کی اسی یکتائی کو صاحب بردہ بالفاظ ذیل ظاہر کرتے ہیں۔

منزۃ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم (بوصیری)

ترجمہ فارسی:

بے[5] نظیری ہم بہ پیکر ہم بہ گوہر در جہاں جوہر[6] فرد نکوئی در تو بے قسمت عیاں (مؤلف)

الغرض یہ حاملان نوامیس جہان در ذات خود اس قدر غیر معمولی برتری (اپنے اندر) رکھتے ہیں۔ وہاں حلقہ بگوشان اسلام کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ اپنے دل میں راسخ کر دیں۔ کیونکہ

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ خواب میں پروردگار نے اپنی ہتھیلی میرے شانوں کے درمیان رکھی، جس کا اثر میں نے بین الیدین محسوس کیا۔ پھر میں نے مافی السمٰوات ولارض کو جان لیا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں: قولہ مافی السمٰوات والارض یعنی ما اعلمہ اللہ مما فیھا من الملائکۃ والاشجار وغیرھما وھو عبارۃ عن سعۃ علمہ الذی فتح اللہ علیہ الخ

(مشکوٰۃ باب المساجد بحوالہ دارمی، ترمذی، شرح السنۃ ومرقاۃ)

[2] عن عمر رضی اللہ عنہ قال، قال فینا رسول اللہ ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ (بخاری)

[3] عن عمرو بن اخطب الانصاری قال صلّی بنا رسول اللہ ﷺ یوما الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد علی المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیامۃ قال فاعلمنا احفظنا (مسلم) یعنی ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بعد نماز فجر منبر پر چڑھ کر اس دن کی مغرب کی نماز تک ہم کو خطبہ دیا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر دے دی۔ بیچ میں صرف ظہر اور عصر کے لئے منبر سے اترے۔ (صحیح مسلم)

[4] امام ترمذی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے: ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیر فرقھم وخیر الفریقین ثم خیر القبائل فجعلنی فی خیر قبیلۃ ثم خیر البیوت فجعلنی من خیر بیوتھم فانا اخیرھم نفسا واخیرھم بیتا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات میں فرقہ بہ فرقہ پھر قبیلہ بہ قبیلہ پھر خاندان بہ خاندان انتخاب کیا گیا۔ اس انتخاب کے ذریعے جو خاندان سب سے زیادہ بہتر بنا کر دوسرے سب خاندانوں سے ممتاز کر کے فوقیت افضلیت میں سب سے الگ نکالا گیا وہ میرا خاندان تھا اور پھر جملہ اشخاص عالم سے جو شخص سب سے زیادہ افضل ہو کر منتخب کیا گیا وہ میں تھا۔ اس لئے میں سب سے زیادہ افضل و بہتر ہوں۔ (بقیہ حاشیے اگلے صفحہ پر)

گروہ انبیاء پر ایمان لانا امور ایمانی میں داخل ہے یعنی دائرہ اسلام میں قدم رکھنے کا پہلا زینہ ''جن امور کا یقین کرنا'' قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء پر ایمان لانا بھی ان میں سے ایک ہے اور امور ایمانیہ و نیز ان کے متعلقات کی واقفیت حاصل کرنا ان کو جان لینا، جان لینے کے بعد مان لینا شریعت محمدیہ میں جو اہمیت رکھتا ہے، محتاج بیان نہیں۔ اسی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر علماء دین بالخصوص محدثین نے اس گروہ عالی مقام سے متعلق برزخی حالات کو مستقل تالیفات میں جمع کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے تاکہ اہل دین و دانش ان کی معرفت حاصل کرنے کا یہ پہلو بھی مکمل کریں۔ مگر یہ سارا ذخیرہ عموماً عربی زبان میں تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ اردو دان اصحاب کے لئے ان معلومات کو جو احادیث سے اس باب میں مستفاد ہیں، اس عجالہ میں (جس کا نام جزء عقیدۃ المحدثین علی حیاۃ النبیین تجویز کیا گیا ہے) جمع کروں تاکہ انبیاء کا تعارف ان کے ماننے والوں کو اچھی طرح حاصل ہو جائے۔
و اسأل اللہ العظیم ان یجعلھا خالصۃ لوجھہ الکریم بمنہ و کرمہ العمیم!

تنبیہ: رسالہ ہذا کا بنیادی مضمون اگرچہ تمام اہل سنت والجماعت کا مسلمہ اور متفق علیہ عقیدہ ہے لیکن پھر بھی اسے ''عقیدۃ المحدثین'' کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ سے ہوئی کہ اس میں عموماً احادیث و آثار نیز اقوال محدثین ہی سے استدلال کا کام لیا گیا اور جس طرح ائمہ حدیث نے عربی زبان میں اس موضوع پر خاص خاص اجزاء تالیف کئے ہیں، اسی طرح یہ رسالہ بھی اردو زبان میں ان ہی کے طرز پر تالیف کیا گیا اور اس کے لئے نام بھی اسی قسم کا انتخاب میں کیا۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب آپ ﷺ کا مثیل و نظیر اور کوئی نہ ہوگا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ کا انتخاب آخری نہ ہو۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے: ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتاً فجعلنی فی خیرھم بیتاً فانا خیرھم نفسا و خیرھم بیتاً (ص ۵۱۳)

(حاشیہ گزشتہ) ۵ یہ حسن صورت اور حسن سیرت کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

(حاشیہ گزشتہ) ۶ جوہر فرد سائنس کی اصطلاح میں آج کل ان ذرات کو کہتے ہیں جن سے اجسام کو مرکب مانا جاتا ہے۔ قدیم فلسفہ میں جزء لایتجزی پر بھی جوہر فرد کا اطلاق بعض نے کیا ہے، جس کی تقسیم عقلاً و حساً ہر طرح منتفی ہو۔ ۱۲ منہ

۱ کل امن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ ۱۲ منہ

۲ ایمان درحقیقت یقین رکھنا اور کسی چیز کو باور کرنا یعنی اچھی طرح جان لینا ہے، پھر اگر یہ اضطراری ہو تو تصدیق منطقی ہے اور اگر اختیاری ہو تو تصدیق لغوی کہلاتا ہے اور موخر الذکر کو تصدیق شرعی یا ایمان کہا جائے گا جس کا مکلف ہر مومن ہے لہٰذا انبیاء پر ایمان لانا یہ ہوگا کہ ہم ان کی شرعی ہستی کو معلوم کریں اور جو کچھ شرعی طریق ثبوت سے ان کے بارے میں ثابت ہو جائے اسے دل سے قبول کرے چونکہ ان کی شرعی ہستی (یا بالفاظ دیگر ان کی شرعی پوزیشن) میں ان کی حیات برزخی کی وہ خاص صورت بھی داخل ہے جو نصوص شرعیہ سے اس باب میں ثابت ہے اس لئے جس مسلمان کو ان پر ایمان لانا ہو اسے ان کی یہ حیثیت جان لینی اور جان لینے کے بعد مان لینی پڑے گی۔

۳ چونکہ ان کی معرفت کا یہ پہلو عمومی معلومات عامہ سے ایک حد تک اوجھل تھا اس لئے اس کی زیادہ اہمیت تھی۔

۴ عجالہ مختصر سے رسالہ کو کہتے ہیں اور عقیدۃ المحدثین علی حیاۃ النبیین کے معنی یہ ہیں کہ: ''وہ عقیدہ جسے ائمہ حدیث نے انبیاء کی حیات (برزخی زندگی) کے بارے میں قائم کیا ہے۔'' چونکہ اس رسالے میں یہی عقیدہ مذکور ہے، اس لئے اس نام میں مسمی کی کائنات علمی کی طرف اشارہ موجود ہے۔ (حاشیہ نمبر ۵، اگلے صفحہ پر)

مقدمہ

جس انسان نے دنیا میں زندگی پائی اس کے لئے موت سے دوچار ہونا ضروری ہے اور انسانی زندگی روح وجسد کے اس تعلق کو کہتے ہیں جس کے اثر کو حیاۃ دنیوی سے یاد کیا جاتا ہے اور ارواح اگرچہ ماضی کے لحاظ سے اسلامی نقطہ نگاہ کی بنا پر حادث ہیں لیکن مستقبل ان کا غیر فانی مان لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظریہ کے مطابق موت کا اثر روح پر فناء کی صورت میں نہیں پڑتا، بلکہ مرنے والے کی روح اس کے بدن سے تدبیر وتصرف کا جو تعلق قطع کرتی ہے۔ اسی کو مرجانا کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روح نہیں مرتی بلکہ مرنے والے کے جسد سے مذکورہ بالا تعلق منقطع کرتی ہے اور یہ انقطاع اہل سنت کے عقیدے کے مطابق دائمی نہیں ہوتا بلکہ عالم آخرت میں اس کا پھر سے قائم ہوجانا ان کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہونا ضروری تھا کہ عالم برزخ میں روح کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب تمام انسانوں کے بارے میں متعدد اقوال ومتنوع اختلافات پر شامل ہونے کی وجہ سے طویل الذیل ہے، جس کے لئے کتب ضخیمہ ہی کام دے سکتی ہیں۔ بناء علیہ اس اہمیت کے سبب سے جو گزشتہ سطور میں بیان کی جاچکی ہے اور آگے بھی آرہی ہے۔ صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے زمرہ عالی مقام کے بارے میں اس سوال کا جواب رسالہ ہذا میں درج کیا جائے گا۔

مسئلہ کی اہمیت

یہ امر تو ان مذہبی بدیہیات میں سے ہے (جو بداہیت شرعیہ کی تمام کائنات کو اپنے اندر لئے ہوئے استدلال ودلیل کی کاوشوں کے منت کش نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، اعزاز وتکریم، دین ومذہب کے اہم ترین واجبات واکبر فرائض میں سے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی واجب التعظیم ہستی کی تعظیم کا حق اسی وقت ہم ادا کرسکتے ہیں جب کہ ہمیں پہلے سے اس کی واقفیت اور اس کی ان صفات ومآثر کی معرفت حاصل ہوچکی ہو کہ جن کی بناء پر اس کی تعظیم بجالانا اور اس کا احترام کرنا ہمارے اوپر ضروری اور واجب کردیا گیا ہو۔ یا بالفاظ دیگر واجب الاحترام ہستی کے احترام وتعظیم بجالانے کا موقوف علیہ اس ہستی کی شناخت اور معرفت وشناسائی ہے۔ پھر یہ امر بھی مسلمات میں سے ہے کہ موقوف علیہ کا درجہ موقوف کا ہمسر[1] ہوا کرتا ہے۔

ان سادہ اور آسان اصول کو ملحوظ رکھ کر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اہل اسلام پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کا بجالانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرنا فرض عین ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت وواقفیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کی واقفیت وشناسائی حاصل کرنا بھی جن کے سبب سے یہ مرتبہ عالی یا اس کے لوازم ولواحق کا کوئی ذخیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت نے دے دیا ہے۔ فرض اور لازمی ہوگا، ورنہ تعظیم بجالانے والا بسا اوقات ایسے غلط معلومات کو

(حاشیہ گزشتہ) [5] اجزاء "جزء" کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جزء اس رسالے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص مسئلے سے متعلق احادیث کا پورا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ محدثین نے انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی (قبر میں زندگی) کو مان لیا ہے۔ عام طور پر کتب احادیث میں ان احادیث کو درج کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے خاص طور سے اس مسئلے کی احادیث کو ایک جگہ جمع کرکے جزء حیات الانبیاء سے اسے موسوم کیا ہے اسی طرح سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ایک جزء تالیف کیا ہے اور اس کا نام انباہ الاذکیاء تجویز کیا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] اگر موقوف فرض ہے تو موقوف علیہ کو حاصل کرنا (تاکہ موقوف کو عمل میں لایا جائے) بھی فرض ہوگا مثلاً جواز نماز موقوف ہے اور طہارت مکان موقوف علیہ لہٰذا جس پر نماز فرض ہے اس پر پاک جگہ بہم کرنا بھی فرض ہے، جس پر وہ نماز ادا کرے گا۔

باعث تعظیم سمجھ سکتا ہے جو در پردہ توہین اور نادانستہ بے ادبی یا گستاخی کے مرادف ہوں۔ مثلاً عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کی شناخت میں کوتاہی کی تو عیسیٰ علیہ السلام کو بجائے عبد کے معبود سمجھنے لگے، خدا اور رسول کے درمیانی فرق کو مٹا کر جو سرحدان دونوں کے بیچ میں حائل ہے، اسے اڑا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کی حدود سے نکل کر کفر کے احاطے میں جا پہنچے، قرآن پاک بتاتا ہے کہ لوگوں کو ایمان کی دولت سے رشد وہدایت کے موصول ہونے کے بعد اگر کسی چیز نے محروم کر دیا ہے تو وہ یہی تھی کہ کسی انسان کا رسول ہونا انہوں نے مستبعد اور ناشدنی قرار دیا:[۱] و مامنع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴) ظاہر ہے کہ یہ خرابی رسول کی تعریف سے بے خبری اور حقیقت نبوت سے بے بصری نے پیدا کردی۔ امت محمدیہ[۲] کے کچھ حرماں نصیب اشخاص سے بھی رسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل کرنے میں کوتاہی سرزد ہوئی اور آپ ﷺ کے بہت سے معجزات کا انکار محض اس لئے کیا کہ وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کو بھی اپنے اوپر قیاس کر گئے۔ چنانچہ زیر بحث اہم ترین مسئلہ کو بھی غلط سمجھ کر آپ ﷺ کے جسد اقدس کو اسی طرح دوسرے انبیاء کے اجساد مبارکہ کو اپنے جسد پر قیاس کر کے عالم قبر میں آپ ﷺ کے جسد پاک ونیز اجساد انبیاء کے بارے میں جن خوارق عادت، حالات کا تذکرہ نصوص میں آیا ہے ان کے ماننے میں پس وپیش کے اندر مبتلا ہوئے۔ بلکہ توہین آمیز انکار کرنے لگے اور اس افراط وتفریط میں کبھی کبھی حدود اسلام سے بھی نکل گئے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ ہذا کی فصل چہارم)

مختصر یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم بجالانا ہر مسلمان پر فرض ہے اور جن امور وعقائد سے یہ فریضہ بجالایا جاسکتا ہے، ان میں سے یہ عقیدہ بھی ایک ہے کہ آپ ﷺ کا جسد پاک عالم برزخ میں زندہ ہے۔ اس لئے اس عقیدہ کو سمجھ لینا اور اس کے دلائل و براہین کو معلوم اور ذہن نشین کر لینا دین میں ضروری ہے جیسا کہ علم کلام کی مشہور کتاب مؤلفہ تورپشتی کی عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت ومفہوم ہوتا ہے:

''وازاں جملہ (یعنی منجملہ عقائد اہل سنت) آنست کہ بدانند کہ کالبد ویرا زمین نخورد و بوسیدہ نشود...... دانستن ایں ہمہ کہ یاد کریم مہم است تا از توقیر وتعظیم رسول ﷺ کہ حق تعالیٰ برما فرض کردہ است بوجہ خوب بجا آوردہ شود در جمیع امور'' (کتاب المعتمد)

ترجمہ: جادۂ اہل سنت پر قائم رہنے کے لئے جن عقائد کا ماننا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانان اہل سنت جان لیں (یعنی یقین کرلیں) کہ رسول اللہ ﷺ کے بدن پاک کو زمین نہیں کھائے گی اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی بوسیدگی اثر کرے گی...... ان باتوں کا کہ جن کو ہم نے ذکر کیا ہے، یقین اور عقیدہ رکھنا مہمات دین میں سے ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی توقیر وتعظیم کو جو ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے فرض کردی ہے تمام[۳] امور میں جیسا کہ چاہئے کما ینبغی بجالایا جاسکے۔

---

[۱] لوگوں کو ایمان لانے سے اسباب ہدایت ان کے سامنے آجانے کے بعد بھی اگر کسی چیز نے روک دیا تو وہ چیز یہی تھی کہ ان کو سخت تعجب اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیغمبر بنا کر مبعوث کرے یہ تعجب اس لئے ہوا کہ وہ حقیقت نبوت سے ناواقف تھے اور ان کے خیال میں نبوت درحقیقت خدائی ہی کا کوئی شعبہ تھا۔ اس لئے وہ باور نہ کر سکے کہ کوئی انسان پیغمبر ہو۔

[۲] جس طرح دوسری اقوام وامم نے حقیقت نبوت کو پہچاننے میں کوتاہیاں کیں اسی طرح امت محمدیہ کے حرماں نصیب لوگوں نے حقیقت نبوت اور حقیقت محمدیہ کی شناخت میں کوتاہیاں کیں اور افراط وتفریط میں پڑ کر حقیقت شناسی سے دور جا پڑے انہی میں سے وہ تفرنج زدہ بھی ہیں جو معجزات کا انکار کرنا اپنی روشن خیالی کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ (حاشیہ نمبر ۳، اگلے صفحہ پر)

علم عقائد کے اس مسئلے میں صراحت کے ساتھ بتلادیا گیا کہ جسد اطہر نبوی ﷺ کی برزخی حالت جو نصوص شرعیہ سے ثابت ہوئی ہے ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہئے کہ اس کی معلومیت کے بدون تعظیم کا فرض ادا نہیں کر سکے گا۔ اس کے علاوہ ائمہ حدیث نے اس مسئلے کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کو مستقل تصانیف میں جمع کر کے عملاً بھی اس کی اہمیت کو ظاہر کر دیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے جزء[1] حیات الانبیاء کے علاوہ دلائل النبوۃ نامی ایک کتاب فن حدیث میں لکھی ہے، جس کا نام خود بتلا رہا ہے کہ اس میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلائل میں محسوب ہوسکتی ہیں پھر مسئلہ زیر بحث کی بنیادی دلیل (یعنی حدیث الانبیاء احیاء الخ) کی تخریج[2] بھی کتاب مذکور میں کر کے اپنی صنیع[3] سے بتادیا ہے کہ مسئلہ حیات انبیاء بھی علامات نبوت میں سے ایک ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا مقر نبوت کی علامات کا مقر اور اس کا منکر نبوت کی دلائل کا منکر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح حدیث کی مشہور و معروف کتاب موسوم بہ نام ''کتاب الاعتقاد'' میں موصوف نے مسئلہ ہذا کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے: الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم الخ ! (دیکھو رسالہ ہذا کی فصل چہارم)

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے حیات انبیاء فی القبور کو ان عقائد اسلامیہ میں سے ایک اہم عقیدہ قرار دے دیا ہے کہ جن کا ثبوت اس قدر کثیر التعداد احادیث صحیحہ سے ملتا ہے جن کی کثرت اور صحت کی وجہ سے یہ مسئلہ علم حدیث کا ایک اہم اور قابل اعتناء مسئلہ بن گیا ہے اور جس طرح ائمہ حدیث نے قراءت خلف الامام، رفع یدین وغیرہ پر خصوصی توجہ کر کے مستقل تصانیف لکھی ہیں اسی طرح مسئلہ ہذا کے بارے میں بھی احادیث صحیحہ نے ان کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلے کو بھی مستقل اور علیحدہ تصنیفوں میں جمع کریں۔ اسی وجہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر ایک جزء یعنی ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام جزء حیاۃ الانبیاء صلوٰت اللہ سلامہ علیہم اجمعین آپ نے رکھا ہے۔

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے حیات انبیاء فی القبور کو ان عقائد اسلامیہ میں سے ایک اہم عقیدہ قرار دے دیا ہے کہ جن کا ثبوت اس قدر کثیر التعداد احادیث صحیحہ سے ملتا ہے جن کی کثرت اور صحت کی وجہ سے یہ مسئلہ علم حدیث کا ایک اہم اور قابل اعتناء مسئلہ بن گیا ہے اور جس طرح ائمہ حدیث نے قراءت خلف الامام، رفع یدین وغیرہ پر خصوصی توجہ کر کے مستقل تصانیف لکھی ہیں اسی طرح مسئلہ ہذا کے بارے میں بھی احادیث صحیحہ نے ان کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلے کو بھی مستقل اور علیحدہ تصنیفوں میں جمع کریں۔ اسی وجہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر ایک جزء یعنی ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام جزء حیاۃ الانبیاء صلوٰت اللہ سلامہ علیہم اجمعین آپ نے رکھا ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ایک مستقل تصنیف بنام انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء اسی موضوع پر لکھی ہے۔

ان حقائق میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصحاب سنن و ارباب حدیث وغیرہم کے نزدیک یہ مسئلہ کس قدر اہم اور مہتم بالشان ہے۔

(حاشیہ گزشتہ) [3] تمام امور اخ ان تمام امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ ۱۲ منہ

[1] محدثین کی اصطلاح میں جزء اس تصنیف کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی خاص مسئلے کے متعلق احادیث کا کافی ذخیرہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ کما مر ۱۲ منہ

[2] تخریج الخ یہ لفظ بھی اصطلاح حدیث کا ہے یعنی کسی محدث کا کسی حدیث کو کسی کتاب میں درج کرنا ۱۲ منہ

[3] روش، یعنی طرز عمل، ۱۲ منہ

فصل اوّل

حیاتِ انبیاء کی دلیل

اس مسئلہ پر سب سے زیادہ صریح اور صحیح دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' یعنی انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرفوعاً وموقوفاً علیٰ انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ مرفوع کی اسانید میں سے جزء حیاۃ الانبیاء میں ایک سند یہ بیان فرمائی: ''وقد روی عن یحیی[1] بن ابی بکر قال ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (حیاۃ الانبیاء ص ۲)

اس سند پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں محققانہ بحث کر کے اس کے ہر ہر راوی کے حق میں ائمہ حدیث ورجال[2] سے ان کی توثیق نقل کر دی ہے۔

امام بیہقی کے علاوہ یہ حدیث اسی سند سے مسند ابویعلی میں بھی مروی ہے۔ بزار نے بھی اس کی تخریج کی ہے، لیکن بزار کی سند میں ''حجاج'' کو ''حجاج صواف'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک وہم (یعنی غلط) ہے۔ صواب یوں ہے کہ یہ راوی وہ ہے جسے حجاج اسود کہتے ہیں۔ اور حجاج اسود کی توثیق امام احمد اور ابن معین نے کر دی ہے۔ اس کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ امام بیہقی کی ایک روایت میں تصریحاً بھی یہ راوی بنام حجاج اسود واقع ہوا ہے۔

تصحیحات[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ سے حافظ نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (فتح الباری)

---

[1] قولہ یحیی بن ابی بکر الخ ھکذا وقع فی جزء حیاۃ الانبیاء للبیھقی فی موضعین علی ما وجدنا وفی النسخۃ الحاضرۃ لدینا ووقع فی الفتح یحیی بن کثیر علی ما فی النسخۃ المطبوعۃ فی المطبع الانصاری بدھلی فی ۱۳۰۲ ھ فعلی ھذا تجب مراجعۃ الاصول لتفتیش ان الراوی ھھنا ھل ھو یحیی بن کثیر کما وقع فی النسخۃ الحاضرۃ لدینا من فتح الباری ام ھو یحیی بن ابی بکر کما وقع فی النسخۃ الحاضرۃ من جزء حیاۃ الانبیاء وھی نسخۃ وطبعت بمصر فی ۱۳۴۹ ھ ثم راجعت التقریب فلم اجد فیہ یحیی بن ابی بکر ووجدت یحیی بن کثیر والمستلم کلیھما من التاسعۃ فالصواب عندی یحیی بن کثیر۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ

[2] علم الرجال وہ علم ہے جس میں احادیث کے راویوں کے متعلق ان حالات کو درج کیا گیا ہوتا ہے کہ جن پر حدیث کے قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے۔ ۱۲ منہ

[3] ایک حدیث کی صحت کے لئے جس طرح پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے ہر راوی کو پرکھا جائے، اسی طرح تمام راویوں کی انفرادی توثیق کے بعد یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس حدیث کے حق میں الفاظ صحیح میں سے کوئی لفظ کہہ دیا ہو، مثلاً ھذا حدیث صحیح وغیرہ اس مؤخر الذکر کو اصطلاح محدثین میں تصحیح کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع الصغیر میں یہ حدیث مسند ابو یعلی موصلی کی طرف منسوب کی ہے۔ شارح جامع کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (یعنی الانبیاء احیاء الخ) حدیث صحیح ہے۔

''النظم المتناثر[1] من الحدیث المتواتر'' میں مذکور ہے: ''ان من جملة ماتو اتر عن النبی ﷺ حیاة الانبیاء فی قبورھم''

ترجمہ: احادیث متواترہ میں سے وہ حدیث بھی ہے کہ جس سے انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ثابت ہے۔

مرقاۃ الصعود حاشیہ ابوداؤد میں امام سیوطی فرماتے ہیں: ''تواترت بھا الاخبار''

ترجمہ: یعنی جن احادیث سے انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ثابت ہے وہ حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔

اسی طرح ''انباہ الاذکیاء'' امام موصوف کی یہ تصریح موجود ہے کہ: ''حیوۃ النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار''

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کا اپنی قبر پاک میں اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی قبور میں زندہ ہونا ہمارے نزدیک (یعنی محدثین وگروہ اہل سنت کے نزدیک) یہ علم قطعی معلوم ومتیقن ہے کیونکہ ہمارے پاس اس پر کافی دلائل قائم ہو چکی ہیں اور جو احادیث واخبار اس پر دلالت کرتی ہیں وہ متواتر ہیں۔

حافظ ابن قیم کتاب الروح میں ابو عبداللہ القرطبی سے نقل کرتے ہیں: ''صح عن النبی ﷺ ان الارض لاتأکل اجساد الانبیاء وانہ ﷺ اجتمع بالانبیاء لیلة الاسراء فی بیت المقدس وفی السماء خصوصا بموسیٰ وقد اخبر بانہ ما مسلم یسلم علیہ الا رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام الیٰ غیر ذٰلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الیٰ ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وانکانوا موجودین احیاء وذٰلک کالحال فی الملائکة فانھم احیاء موجودون ولا نراھم اھ(ب)''

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ اجساد انبیاء کو زمین نہیں کھاتی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ لیلۃ الاسراء میں بیت المقدس میں ونیز آسمانوں میں انبیاء کرام خصوصا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ساتھ مجتمع ہو گئے، ونیز آپ ﷺ نے خبر دے دی ہے کہ جو بھی آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ سلام بھیجنے والے کو آپ ﷺ سلام کا جواب دے دیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی نصوص اور احادیث ہیں کہ جن کے مجموعہ سے اس امر کا یقین کامل حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ان کو ہم سے اس طرح پوشیدہ اور غائب کر دیا گیا ہے کہ ہم ان کا ادراک واحساس نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں اس کی کیفیت ایسی ہے جیسے کہ فرشتے زندہ اور موجود ہیں، لیکن ہم ان کو نہیں دیکھتے ہیں۔ (انتھی قول القرطبی المنقول فی کتاب الروح کما فی تعلیق حیاۃ الانبیاء)

امام توربشتی فرماتے ہیں کہ ''ھم[2] احیاء فی قبورھم یصلون'' حدیث درست وصحیح ہے۔

(کتاب المعتمد فصل چہارم)

---

[1] النظم المتناثر ایک کتاب ہے جو احادیث متواترہ کو ایک جگہ جمع کرنے کی غرض سے تالیف کی گئی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] تفصیل کے لئے اس رسالہ کی فصل چہارم ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ

حدیث انس رضی اللہ عنہ کے مختلف الفاظ میں سے کون سا لفظ محفوظ ہے؟

حدیث انس رضی اللہ عنہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" کو اوپر مرفوعاً درج کیا گیا، اس کے علاوہ یہ حدیث موقوفاً بھی کتب حدیث میں مروی ہے، مگر مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح یہی لفظ محفوظ[1] ہے جو سطور بالا میں گزرا۔ اس کے علاوہ حدیث ہذا (یعنی الانبیاء احیاء فی قبورھم) کی ایک اور روایت وارد ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عزوجل حتیٰ ینفخ فی الصور"

ترجمہ: انبیاء کو اپنی اپنی قبور میں چالیس رات کے بعد رہنے نہیں دیا جاتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نفخ صور تک نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ (جزء الحیاۃ)

مگر یہ روایت اوپر کی روایت کا مقابلہ کر نہیں سکتی کیونکہ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی ایک راوی ہے جو سیئ الحفظ تھا[2]۔

اسی طرح غزالی رحمہ اللہ اور اس کے بعد رافعی رحمہ اللہ نے بھی ایک حدیث کی روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "انا اکرم علی ربی من ان یترکنی فی قبری بعد ثلث"

ترجمہ: میرا احترام عنداللہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ مجھے تین شب کے بعد قبر میں چھوڑے، یعنی رہنے دے۔

لیکن حافظ نے فتح الباری میں اس کے حق میں لا اصل لہ کہہ دیا ہے۔

محفوظ اور غیر محفوظ کے درمیان تطبیق

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے دو لفظ[3] منقول ہیں جن میں سے پہلا لفظ یہ ہے: "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" اور دوسرا یہ ہے: "الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عزوجل حتیٰ ینفخ فی الصور" اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے پہلا لفظ محفوظ اور اصح بلکہ متواتر ہے۔ لہٰذا اگر دوسرا لفظ (جو غیر محفوظ ہے) اس کے ساتھ متعارض ہو تو دوسرا لفظ ہی ساقط ہوگا اور اگر دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نکل آئے گی تو پھر دونوں کو "معمول بہ[4]" بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تطبیق کو پسند کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: "محمد بن عبدالرحمٰن کی روایت اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو تطبیق یہ ہوگی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں پہنچتے ہی نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں مگر اس اشتغال کی مدت وہاں چالیس رات سے زیادہ نہیں ہوتی، اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے صلوٰۃ کے شغل میں منہمک رہتے ہیں جس کا تسلسل نفخ صور تک باقی رہے گا۔"

---

[1] قولہ محفوظ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جب کسی حدیث کے الفاظ میں اختلاف واقع ہوتا ہے تو فن حدیث کے ماہرین کے نزدیک جو لفظ زیادہ وقیع اور راجح ہوتا ہے اس کو محفوظ کہا جاتا ہے اور اس کا مقابل اصطلاح حدیث میں شاذ کہلاتا ہے یعنی غیر محفوظ۔

[2] یعنی حافظہ ان کا کمزور تھا۔ ۱۲ منہ

[3] قولہ دو لفظ: یعنی انا اکرم کو لا اصل لہ کہنے کے بعد کالعدم تصور کر کے قابل بحث دو لفظ رہ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[4] قولہ معمول بہ الخ یہاں دونوں کو معمول بہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سے اس قسم کے مفہوم کو لیا جا سکے کہ جس سے یہ دونوں آپس میں موافق ہو جائیں اور دونوں سے ایسے دو عقیدے اخذ کئے جائیں جو باہم متضاد نہ ہوں۔ ۱۲ منہ

توضیح مراد

بیہقی کے کلام مذکور کی مراد میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ قبور مطہرہ میں پہنچنے اور اعادہ روح ہو جانے کے بعد فوراً ہی انبیاء نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں (یہ عقیدہ تو حدیث انس رضی اللہ عنہ کے لفظ محفوظ سے ماخوذ ہے) اس کے بعد چالیس دن تک وہ مسلسل اسی شغل نماز میں مشغول رہ کر اپنی قبروں ہی میں مقیم ہوتے ہیں یعنی دفن کے وقت سے لے کر چالیس دن تک باوجود زندگی کے قبور ہی کے اندر رہنا ان کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اس "اربعین اوّل" میں قبور سے باہر نہیں آسکتے ہیں۔ "اربعین اوّل" ختم ہو جانے کے بعد "قبور ہی کے اندر رہنے" کی قید مرتفع ہو جاتی ہے بلکہ پھر جہاں چاہتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح اربعین اول میں اشتغال صلوٰۃ کی جگہ قبور کے ساتھ مخصوص تھی اب یہ خصوصیت باقی نہیں رہتی اور ملک خدا میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے وہاں نماز کا شغل جاری رکھتے ہیں اور یہ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھنے کے معنیٰ[1] ہیں۔ (وھذا ھو الذی یجب ان یکون مراد البیھقی علیٰ ما ادی الیہ نظری واللہ اعلم بمراد عبادہ) یہ آخری حصہ جس میں چالیس رات کا ذکر ہے، حدیث انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے (جس کو محمد بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے غیر محفوظ[2] قرار دے دیا گیا ہے) ماخوذ ہے اور اس طرح دونوں[3] لفظوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ (توضیح مراد ختم ہوگئی)

رجوع بکلام بیہقی رحمہ اللہ

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنے کلام مذکور کے افہام[4] میں کہتے ہیں کہ: "اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے "اجساد مع الارواح" کو اٹھایا جاتا ہوگا" اور اس کی تائید میں فرماتے ہیں: "فقد روی سفیان الثوری فی الجامع قال قال شیخ لنا عن سعید بن المسیب قال مامکث نبیء فی قبرہ اکثر من اربعین لیلۃ حتی یرفع فعلیٰ ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلھم اللہ عزوجل کما روینا فی حدیث المعراج وغیرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم راٰہ مع سائر الانبیاء علیھم السلام فی بیت المقدس ثم راٰھم فی السمٰوات واللہ تبارک وتعالیٰ فعال لما یرید" (حیاۃ الانبیاء)

ترجمہ: چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے "جامع" میں اپنے ایک شیخ کی روایت سے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "چالیس رات سے زیادہ مدت تک کسی نبی نے اپنی قبر میں توقف نہیں کیا ہے" (بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) بناء علیہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہو جاتے ہوں گے جیسے کہ وہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں جو ہنوز دنیاوی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اس لئے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کو ان کا نزول منظور ہوتا ہوگا وہاں رہتے ہوں گے جیسا کہ حدیث معراج وغیرہ میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر دوسرے

---

[1] قولہ معنی الخ میں نے یہ شرح اس حدیث سے اخذ کر لی ہے جس میں وارد ہوا کہ غروب کے بعد آفتاب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں رہتا ہے یعنی ایک جگہ سے غائب ہو کر دوسری جگہ حسب مشیت اور تابع تقدیر الٰہی ہو کر رہتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ غیر محفوظ الخ اس کو اصطلاح میں "شاذ" کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[3] قولہ دونوں لفظوں الخ یعنی دونوں روایتوں میں۔ ۱۲ منہ

[4] قولہ افہام الخ افہام کے معنی سمجھانے کے آتے ہیں۔ ۱۲ منہ

انبیاء کے مجمع میں بھی ان کو (یعنی موسیٰ کو) آپ ﷺ نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد تمام انبیاء کو سماوات میں دیکھ لیا۔ (یعنی لیلۃ الاسراء میں متعدد مقامات کے اندر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گیا جو مختلف مواضع میں ان کی نقل وحرکت پر دلالت کرتا ہے اور یہ انتقالات حسب تصریح سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ مع الروح والجسد[1] تھے) اور اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتا ہے اسے برابر کرتا رہتا ہے۔

بیہقی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تطبیق کے بناء پر دفن کے بعد چالیس دن گزار کر انبیاء علیہم السلام کے اجساد حیات جسمانی پا کر قبور سے باہر بھی ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے ان میں سے بعض کو حج میں اور سب[2] کو اسراء میں دیکھا بھی ہے۔ یعنی ان کے اجساد کو بحالت حیات معاینہ کیا ہے مگر جمہور نے لفظ محفوظ کو ترجیح دے کر اختیار کیا ہے کہ ان کے اجساد زندہ ہو کر قبور ہی میں مقیم ہیں۔ قبور سے باہر ان کی ارواح کی مثالی صورت دکھائی دیتی ہے۔

قال الحافظ ان تمام هذا التوجيه ان يقال المنظور اليه هي ارواحهم فلعلها مثلت له في الدنيا الخ وامااجسادهم فهي في القبور اه　(فتح الباری باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی)

حدیث انس رضی اللہ عنہ کے شواہد[3]

حدیث انس رضی اللہ عنہ جس سے انبیاء کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے او پر درج ہو چکی ہے۔ اب ذیل میں چند احادیث کو درج کیا جاتا ہے جن کو بیہقی رحمہ اللہ نے بہ طور ''شاہد[4]'' اپنی کتاب ''جزء حیاۃ الانبیاء'' میں پیش کیا ہے یہ احادیث حسب تصریح امام بیہقی صحیح ہیں:

الف: صحیح مسلم میں مرفوعا بروایت حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''مررت بموسیٰ ليلة اسرى بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره''

ترجمہ: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں سرخ ریت کے تودہ کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے جب میں گزرا تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے اندر نماز میں کھڑا مشغول دیکھا۔

ب: صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا مروی ہے: ''لقد رأيتني في الحجر وانا اخبر قريشا عن مسرای فسألوني عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها فكربت كربا ما كربت مثله قط فرفعه الله لي انظر اليه مايسألوني عن شيء الا انبأتهم به وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا موسى قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كانه من رجال شنوءة واذا عيسى بن مريم يصلي اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي واذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلوٰة فاممتهم''

---

[1] قولہ والجسد الخ مؤلف کہتا ہے کہ ابن المسیب رحمہ اللہ کے اس قول کے مطابق بھی ماننا پڑے گا کہ چالیس دن کے بعد انبیاء قبور سے باہر جا سکتے ہیں اور قبور کے اندر بھی رہ سکتے ہیں کیونکہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اس وقت ان کی وفات پر صدیاں گزر چکی تھیں۔

[2] قولہ سب کوالخ وهذا كما في رواية عبدالرحمن عن انس رضی اللہ عنہ ...... هذا لم يبعث له آدم فمن دون فامهم تلك الليلة اه　(جمع الفوائد ص ۵۶ ج ۴)

[3] قولہ عن البيهقي رحمہ اللہ في الجزء۔

[4] اصطلاح حدیث میں وہ حدیث کہ جس سے دوسری حدیث کی تائید ہوتی ہے، ''شاہد'' کہلاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور ابراہیم علی نبینا وعلیہم کو آپ ﷺ نے شب معراج میں نماز پڑھتے[1] دیکھا پھر جب نماز کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے ان کو مع دیگر انبیاء کے نماز پڑھائی۔ (یعنی رسول اللہ امام ہوئے، دوسرے انبیاء مقتدی)

ج: سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "انه ﷺ لقيهم بيت المقدس" (جزء حیات الانبیاء)

یعنی بیت المقدس میں آپ ﷺ نے انبیاء کے ساتھ ملاقات کر لی۔

د: ابوذر اور مالک رضی اللہ عنہ بن صعصعہ کی حدیث میں قصہ معراج میں منقول ہے: "انه لقيهم في جماعة[2] الانبياء في السموات وكلمهم وكلموه"

ترجمہ: یعنی نبی کریم ﷺ کی ملاقات اور بات چیت ساوات میں انبیاء علیہم السلام کی جماعت کے ساتھ ہوئی۔

احادیث مذکورہ سے حیات انبیاء علیہم السلام پر استدلال کی کیفیت

احادیث مذکورہ میں موسیٰ کا اپنی قبر پاک میں نماز میں مشغول ہونا اور انبیاء علیہم کا بیت المقدس میں تشریف فرما ہونا مذکور ہے۔ (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ وفات کے بعد پھر بحالت زندگی دیکھے گئے) انبیاء کے ساتھ خاتم الانبیاء کا مکالمہ بھی مذکور ہے جو حسب تحقیق وتصریح امام بیہقی رحمہ اللہ بروح وبجسد تھا۔ ان جملہ امور سے "الانبياء احياء في قبورهم" کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اس لئے یہ احادیث اس کے لئے شواہد ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ان کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "وكل ذلك صحيح لايخالف بعضه بعضا فقد يرى موسى علیہ السلام قائما يصلى في قبره ثم يسرى بموسى وغيره الى بيت المقدس كما اسرى بنبينا ﷺ فيراهم ثم يعرج بهم الى بالسموات كما يعرج عرج بنبينا ﷺ فيراهم كما اخبر وصلوتهم في اوقات مواضع مختلفات جائز في العقل كما ورد بها خبر الصادق وفي كل ذلك دلالة على حياتهم، اه" (حیاۃ الانبیاء ص ۸)

ترجمہ: یہ سب احادیث صحیح ہیں، ان میں سے کوئی حدیث کسی دوسری حدیث کی مخالف بھی نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ نے قبر میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتے دیکھ لیا ہو۔ پھر بطور اسراء کے موسیٰ علیہ السلام و نیز دیگر انبیاء کو بیت المقدس میں اسی طرح پہنچایا گیا ہو کہ جس طرح ہمارے نبی ﷺ کے بطریق اسرار کے بیت المقدس میں پہنچایا گیا۔ لہٰذا ان کو آپ ﷺ نے وہاں دیکھ لیا ہوگا۔ اس کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو بطور معراج کے ساوات پر چڑھا دیا گیا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کو بھی اسی موقع پر بطریق معراج کے

---

[1] اس حدیث میں کئی اشکال ہیں کیونکہ نماز اب تک فرض نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہ انفرادی نماز پہلے کیسی پڑھی گئی۔ پھر نماز کا وقت ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟ تفصیلی جواب کے لئے میرا رسالہ "ارفع الادراج بسر المعراج" دیکھئے۔ یہاں اس قدر سمجھ لیجئے کہ یہ عمل درحقیقت اسی نماز کی عملی صورت دکھانے کے لئے کیا گیا جو عنقریب امت محمدیہ میں رائج ہونے والی تھی کہ پہلے یہ حضرات نوافل میں مشغول ہوئے پھر اس نماز کا وقت آیا جو سب پر فرض تھی تو اس کی جماعت کھڑی ہو گئی اور امامت کا منصب سید الانام کو دیا گیا۔ یہ کون سی نماز تھی۔ اس کا جواب بھی رسالہ مذکور میں دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

[2] وفي حديث المعراج في رواية فجمع لي الانبياء وفي اخرى ثم بعث له آدم فمن دونه۔ (باب المعراج)

وہاں پہنچا دیا گیا ہو۔ اس لئے سماوات پر بھی آپ ﷺ نے ان سب کو دیکھا ہوگا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمادیا ہے اور اوقات مختلفہ میں مواضع متعددہ کے اندر ان کا نماز پڑھنا عقلاً ممکن ہے جو مخبر صادق کی خبر سے نقلاً بھی ثابت ہوا۔ الغرض ان تمام تفاصیل میں حضرات انبیاء کی حیات پر دلالت موجود ہے۔ (حیاۃ الانبیاء ص ۸)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کے ساتھ امام ممدوح کی عبارت گزشتہ بھی ملحوظ رہے کہ جس میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ ''فعلی ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلھم اللہ الخ یعنی سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد پھر سے دوسرے زندہ انسانوں کی طرح ہو جاتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ ان کو اتارتا ہے وہاں ہی ہوتے ہیں۔''

نیز اسراء اور معراج کا بجسد عنصری اور حیات دنیوی کی حالت میں ہوتے ہوئے واقع ہونا اہل سنت کے عقیدہ منصورہ کے مطابق نبی کریم ﷺ کے حق میں ثابت ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرے انبیاء کے حق میں بھی اسی قسم کا اسراء اور معراج تسلیم کرنا اور اس سے حیات انبیاء فی القبور کو ثابت کرنا بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کس قسم کی حیات ائمہ حدیث کے نزدیک عالم برزخ میں مسلم الثبوت ہے۔

تنبیہ: شب معراج میں نبی کریم ﷺ کی سیر کے دو حصے ہیں:

ایک حصہ مکہ سے بیت المقدس تک شباشب جانا۔

دوسرا حصہ بیت المقدس سے سماوات پر چڑھ کر عالم بالا کی سیر کرنا۔

ان میں سے پہلے حصے کو ''اسراء'' کہتے ہیں، جس کا ذکر نص قرآن میں بتصریح موجود ہے: ''قال تعالیٰ: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ''

دوسرا حصہ احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہے، اس حصے کو معراج[1] کہا جاتا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات انبیاء کا اپنی ان قرارگاہوں سے (کہ جن میں رب العزت جل مجدہ نے ان کو عالم برزخ میں مقیم کردیا ہے) آکر بیت المقدس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مجتمع ہونا بطریق اسراء کے مان لیا ہے۔ پھر سماوات کے مجمع میں جانا موصوف نے سب انبیاء کے لئے جو بیت المقدس میں تھے بطور معراج کے قرار دیا ہے اور اس کو دوسرے محدثین نے تلقی بالقبول کرلیا ہے۔

فتح الباری کی عبارت

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بالا کو حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے: ''قال البیھقی وشاھد الحدیث الاول ماثبت فی صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ . . . عن انس رضی اللہ عنہ رفعه مررت لیلة اسریٰ بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ . . . فان قیل ھذا خاص بموسیٰ فلنا وجدنا له شاھدا من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اخرجه مسلم ایضا مرفوعا لقد رأیتنی فی الحجر وقریش تسالنی عن مسرای الحدیث وفیه رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسیٰ قائم یصلی . . . واذا عیسیٰ بن مریم قائم یصلی . . . واذا ابراھیم قائم یصلی فحانت الصلوٰۃ فاممتھم قال البیھقی وفی حدیث سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انه لقیھم ببیت المقدس فحضرت الصلوٰۃ فامھم نبینا ﷺ ثم اجتمعوا فی بیت المقدس وفی حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ ومالک رضی اللہ عنہ بن صعصعة فی قصة الاسراء انه لقیھم بالسموات وطرق ذلک

[1] یہ علمی اصطلاح ہے، عام لوگ اس ساری سیر کو معراج ہی سے یاد کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

صحیحۃ فیحمل علیٰ انہ رأی موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم عرج بہ ھو و من ذکر من الانبیاء الی السموات فلقیھم النبی ﷺ ثم اجتمعوا فی بیت المقدس فحضرت الصلوۃ فامھم نبینا قال و صلوتھم فی اوقات مختلفۃ و فی اماکن مختلفۃ لایردہ العقل و قد ثبت بہ النقل فدل ذلک علیٰ حیاتھم''

بیان فائدہ

ناظرین! اس عبارت کے اندراج کو تکرار بے فائدہ خیال نہ کریں کیونکہ اس سے بیہقی رحمہ اللہ کے کلام مذکور کی توضیح اور احادیث مذکورہ کی مزید توثیق و تصحیح کے ساتھ ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ حافظ جیسے محقق و محدث نے بھی دیگر محدثین کی طرح بیہقی رحمہ اللہ کی تحقیق کو قبول کرلیا ہے۔

افادہ: تحقیق بالا کے مطابق ماننا پڑے گا کہ محفل ''اسراء'' میں ان انبیاء علیہم السلام کو کہ جو اس سے پیشتر وفات پاچکے تھے اور ان کو جو ہنوز موت کا ذائقہ نہیں چکھ چکے تھے، سب سے پہلے بطور اسراء کے قدس میں پھر بطور معراج کے سماوات میں زندہ ہوکر پہنچایا گیا اور ان سب کی حیات میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں تھا کہ بعض کو احیاء بعد الموت کے بعد اور بعض کو قبل الموت اس ''اسراء'' اور ''معراج'' سے نوازا گیا۔ اور اس تمام واقعہ سے ''فدل ذلک علیٰ حیاتھم'' کا نتیجہ نکالنا بتاتا ہے کہ ائمہ حدیث اور اصحاب سنن و احادیث کے نزدیک وہ حیات جو انبیاء کو وفات کے بعد حاصل ہوتی ہے اور وہ حیات جو موت سے پہلے حاصل ہوا کرتی ہے، اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے یکساں اور غیر متفاوت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

قیاس اولویت سے حیات فی القبور کا ثبوت

حافظ ابن حجر عبارت بالا کے بعد فرماتے ہیں کہ: ''قلت و اذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القرآن و الانبیاء افضل من الشھداء''

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ دلیل نقلی سے تو انبیاء کا زندہ ہونا ثابت ہوگیا۔ علاوہ برآں درایت سے بھی اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ نص قرآنی کے مطابق شہداء زندہ ہوا کرتے ہیں، درآں حالیکہ انبیاء کا مرتبہ شہداء سے برتر ہے۔ (لہٰذا بقیاس اولویت انبیاء کا زندہ ہونا ضروری ہے) (فتح الباری شرح بخاری)

فصل دوم

حدیث انس کے دیگر شواہد[1]

حدیث معراج کے علاوہ اور بھی چند احادیث سے حدیث انس رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے جن کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری رحمہ اللہ کی شرح میں حدیث انس رضی اللہ عنہ (الانبیاء احیاء الخ) کے لئے ''شاہد'' قرار دے دیا ہے۔ ہم ذیل میں ان کو درج کرتے ہیں:

[1] حدیث معراج سے موسیٰ علیہ السلام کا نیز دیگر انبیاء کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے جو معراج سے پہلے وفات پاچکے ہیں اس لئے اس سے الانبیاء احیاء کی تائید صراحۃً ہوتی ہے۔ اس فصل کی حدیث سے تائید مذکور التزاماً ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو الگ فصل میں درج کیا گیا۔

بلوغ صلوٰۃ[۱]

۱...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً سنن ابوداؤد میں ایک حدیث مروی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے: ''صلوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔ سندہ صحیح، اھ'' (فتح)

ترجمہ: تم درود پڑھا کرو کیونکہ جہاں کہیں بھی تم درود پڑھو گے، مجھے ضرور پہنچے گا۔

حافظ نے باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم الخ کی احادیث مندرجہ کی شرح میں اس حدیث کا صرف یہ ایک قطعہ نقل کر کے اس کے حق میں فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور یہ دراصل ایک شبہ کا جواب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دے دیا ہے۔ وہ یہ کہ ابوداؤد نے جس سند سے اس کی روایت کی ہے اس میں ایک راوی عبداللہ بن نافع ہے جس کے حافظہ پر ابن معین نے اعتراض کیا ہے، مگر ابوزرعہ کی تحقیق اعتراض مذکور کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے لاباس بہ کہہ کر اس کی توثیق کر لی ہے۔

اس اختلاف کا فیصلہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں کر دیا کہ عبداللہ بن نافع کی روایت کو مخدوش کہنا درست[۲] نہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جزء حیاۃ الانبیاء میں اس کی تخریج کی ہے اور فاضل بوسنوی اپنے حاشیہ میں اختلاف مذکور نقل کر کے رقم طراز ہیں کہ: ''وللحدیث شواھد روی نحوہ ابو یعلی الموصلی وفی سندہ ایضاً عبداللہ بن نافع المذکور اھ'' اور حافظ فرماتے ہیں کہ ابوالشیخ نے اس کی تخریج[۳] سند جید کے ساتھ کی ہے۔

پوری حدیث ابوداؤد میں یوں ہے: ''قال رسول اللہ ﷺ لاتجعلوا بیوتکم قبوراً ولاتجعلوا قبری عیداً وصلوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم''

ترجمہ: اپنے گھروں کو قبرستان اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور درود پڑھا کرو کیونکہ جہاں بھی تم ہو گے، تمہارا درود ضرور مجھے پہنچ جائے گا۔ اس حدیث میں تین امور مذکور ہیں:

اوّل: یہ کہ گھروں میں نوافل پڑھا کرو اور ان کو قبرستان کی طرح نماز سے خالی مت رکھا کرو۔ جس گھر میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے اسے قبرستان کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ عام طور پر یہ بیان کی جاتی ہے کہ مقابر میں نماز ممنوع ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو بھی مقابر جیسا مت بناؤ۔ حافظ[۴] رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں وجہ تشبیہ یوں بیان کی ہے کہ رات بھر نوافل سے غافل ہو کر اس طرح مت سویا کرو کہ نیند کی وجہ سے تم اموات جیسے ہو جاؤ کہ جس سے تمہارے گھر بھی قبور جیسے ہوں گے۔

---

[۱] یعنی احادیث میں بلوغ صلوٰۃ وارد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تک درود پڑھنے والوں کا درود پہنچ جاتا ہے اور ان حدیثوں سے حیات فی القبر کا ثبوت اس طرح ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کو حیات حاصل نہ ہوتی تو درود پہنچ جانے کا لفظ بے محل ہوتا اس لئے کہ مردہ تک تو کوئی چیز نہیں پہنچ جاتی۔ ۱۲ منہ

[۲] یعنی ابوزرعہ کی رائے اس راوی کے حق میں حافظ کے نزدیک زیادہ وقیع ہے۔ علاوہ برآں ابوالشیخ کے یہاں یہ حدیث سند جید کے ساتھ مروی ہے۔ لہٰذا حافظ کا یہ فیصلہ ہر حال میں قابل قبول ہے۔ ۱۲ منہ

[۳] لیکن ابوالشیخ کا لفظ یہ ہے: من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ گویا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ ہم آگے چل کر اس کے متعلق مزید بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

[۴] باب العمل فی العشر الاواخر فی کتاب الصوم۔ ۱۲ منہ

دوم: یہ کہ میری قبر کو عید[1] کی طرح اجتماع کا ذریعہ مت بناؤ۔

سوم: مجھ پر درود پڑھنے کے لئے یہ ضروری مت سمجھو کہ صرف میری قبر پر ہی آ کر درود پڑھنا جائز ہے، نہیں! ہرگز نہیں بلکہ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی درود پڑھے گا مجھے ضرور پہنچ جائے گا۔

''لاتجعلوا قبری عیداً'' کے متعلق علماء کے اقوال

آپ ﷺ کا ارشاد کہ میری قبر کو عید مت بناؤ تشریح طلب ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغۃ میں اس کی شرح یوں کرتے ہیں کہ: ''ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاری بقبور انبیائھم وجعلوھا عیداً او موسما بمنزلۃ الحج''

ترجمہ: حفظ ما تقدم کے طور پر مذہبی احکام میں تحریف کا راستہ بند کرنے کی غرض سے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبور کو موسمی اور حج جیسے اجتماعات کا ذریعہ بنا دیا تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں: ''والمعنی لاتجعلوا زیارۃ قبری عیداً او معناہ النھی عند الاجتماع لزیارتہ علیہ السلام اجتماعھم للعید من الایام وقد کانت الیھود والنصاری یجتمعون لزیارۃ قبور انبیائھم ویشتغلون بالطرب واللھو مع ابائھم وابنائھم ونسائھم فنھی النبی ﷺ عن ذلک ویحتمل ان یکون الحث علی کثرۃ زیارۃ اھ'' (شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۴)

ترجمہ: قبر کو عید بنانے سے منع کرنے کا مقصد قبر اطہر کی زیارت کو عید بنانے سے روکنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی قبر پاک کی زیارت کے لئے اس قسم کا اجتماع ممنوع قرار دے دیا ہے جو عید جیسے اجتماع کے رنگ میں ہو۔ درآنحالیکہ یہود و نصاریٰ کا معمول تھا کہ وہ انبیاء کے مزارات پر زیارت کے لئے جمع ہوتے اور طرب ولہو میں عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے سب ہی اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ارشاد سے قبر اطہر کی زیارت کثرت کے ساتھ کرنے کی رغبت دلانا منظور ہو (یعنی عید کا چاند مت ہو، بلکہ بار بار آیا کرو) یعنی عید کی طرح شاذ و نادر مت آؤ بلکہ بار بار آیا کرو۔

مؤلف کی شرح

میں کہتا ہوں کہ تینوں فقرون کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کے بعد اس حدیث کا مطلب ترغیب نوافل فی البیوت کے علاوہ دو امر پر شامل ہے:

اوّل: یہ کہ آپ ﷺ نے زیارت قبور کو علی العموم اور اپنی قبر اطہر کی زیارت کو علی الخصوص مشروع ومسنون فرما کر مؤخر الذکر کے متعلق عوام کی سابقہ روایات کی بناء پر اس میں ایسی تحریف واقع ہونے کا خطرہ محسوس کیا، جو ہر مذہب[2] میں عموماً بے علموں اور بداعمال لوگوں کے ہاتھوں اس حکم[3] مشروع میں داخل ہو گئی تھی۔

---

[1] شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس جگہ مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: لاتجعلوا زیارۃ قبری عیداً۔

[2] مثلاً یہود نے پیغمبروں کی قبور کو پھر ان کے بعد نصاریٰ نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب اشیاء کو ذریعہ اجتماع بنا دیا تھا۔

[3] یعنی زیارت قبور کے مسئلہ میں۔

اس لئے اپنی امت کو تحریف مذکور کے راستے پر گامزن ہونے سے روک دیا۔ یعنی میری قبر اطہر اور روضہ منورہ کی زیارت تو ضرور کیا کرو، مگر زیارت کو بہانہ بنا کر اپنی عیاشی، جشن لہو ولعب غیر مسنون اجتماع و دیگر خرافات کو میری قبر کے ساتھ وابستہ مت کرو۔ پھر ان[۱] دونوں کے درمیان مزید امتیاز کی مہمائش یوں فرمائی کہ زیارت کو عید کی ہیئت سے جدا کرو۔ پس زیارت کی جو ہیئت عید کی ہیئت سے مشابہ ہو، وہ ممنوع اور جو اس سے خالی ہو وہی مشروع ہوگی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی کا کلام مذکور بھی اسی مضمون کی طرف مشیر ہے کہ: ''مذہبی احکام میں تحریف کا راستہ بند کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے۔'' جس کی مراد میری سمجھ میں یہی آتی ہے کہ روضہ اطہر کی زیارت ایک امر مشروع ہے اس کو ایسے اجتماعات[۲] سے جو منکرات پر مشتمل ہوں پاک رکھنے کے لئے یہ ارشاد وارد ہوا ہے۔ (واللہ اعلم بمراد عبارۃ)

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام کا مفاد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زیارت تو کثرت سے کرنی چاہئے، لیکن اس کے ضمن میں ایسے اجتماعات سے احتراز کرنا ضروری ہے کہ جن میں (دیگر تفریحات کی طرح سارا کنبہ بطور تفریح وسیر کے شامل ہو کر یاد الٰہی سے غافل ہو جانے کی حالت میں) بسا اوقات منکرات ومنہیات شرعیہ سے بھی محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث لاتجعلوا قبری[۳] عیدا بھی ان نصوص میں سے ایک ہے جو نبی کریم ﷺ کی قبر پاک کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرتی اور ساتھ ہی اس کا مسنون طریقہ بھی بتاتی ہے۔ اسی مضمون کو ملا علی قاری اور محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس سے اخذ کیا ہے اور یہ استنباط اصحاب سنن وائمہ حدیث کے طریق استدلال کے ساتھ بھی مطابق ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو سنن ابوداؤد کے کتاب المناسک میں درج کر کے ''ترجمۃ الباب[۴]'' کا عنوان باب زیارۃ القبور امام ابوداؤد نے تجویز کیا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کا شہداء احد کی قبور کی زیارت کے ارادے سے تشریف لے جانے کی حدیث بھی آپ نے اسی باب میں درج کی ہے اور اس مجموعے[۵] سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد اس بات میں یہ مسئلہ بتا گئے ہیں کہ حج کے ساتھ روضہ مطہرہ کی زیارت کی نیت کرنا مشروع ہے اور یہ کہ اس حدیث[۶] سے روضہ مطہرہ کی زیارت کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے مگر زیارت کو لہو وطرب یا بدعات ومنکرات کے ساتھ خلط ملط کرنے کی نہی صریح بھی اسی میں مذکور ہے۔

دوم: یہ کہ آپ نے قبر اطہر کی زیارت کو عید بنانے سے روک دینے کے بعد یہ فرمایا کہ درود پڑھا کرو

---

۱ یعنی زیارت مسنونہ اور وہ زیارت جس میں تحریف واقع ہونے کی وجہ سے صورت مسنونہ باقی نہ رہے۔ ۱۲ منہ

۲ یہ عید کے لفظ سے مستفاد ہے کیونکہ عید کا مابہ الامتیاز در حقیقت اجتماع ہی ہے۔ ۱۲ منہ

۳ میری قبر کی زیارت کو عید مت بناؤ۔ ۱۲ منہ

۴ ''ترجمۃ الباب'' علماء حدیث کی اصطلاح میں اس سرخی کو کہا جاتا ہے جو کسی حدیث کے درج کرنے سے پہلے فصل یا باب کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک حدیث کا مطلب اور مضمون کیا ہے؟ ۱۲ منہ

۵ یعنی امام ابوداؤد کا سنن ابوداؤد کے کتاب الحج میں اس حدیث کو درج کرنا پھر ترجمۃ الباب میں باب زیارۃ القبور رکھ دینا پھر اس میں حدیث زیر بحث کے علاوہ عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی حدیث کو لانا ان تینوں امور کے مجموعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابوداؤد بھی لاتجعلوا قبری کا مطلوم وہی قرار دیتا ہے کہ جو اوپر بیان کیا گیا۔ ۱۲ منہ

۶ خلاصہ یہ کہ محط نہی زیارت کو عید بنانا ہے۔ نفس زیارت نہیں جیسا کہ نفی مقید کا قاعدہ ہے کہ نفی صرف قید پر وارد ہوتی ہے۔

کیونکہ وہ مجھے ضرور پہنچے گا، خواہ درود پڑھنے والا دور دراز مقام پر ہی کیوں نہ ہو۔ دونوں قطعوں[۱] کے ارتباط باہمی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کو قبر اطہر کی حاضری میسر نہ آئے تو اس کی تسکین قلب اور اکتساب ثواب وسعادت کے لئے یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو وہاں سے ہی درود بھیجا کرے اور اس وہم میں نہ پڑے کہ دور ہونے کی وجہ سے اس کا درود نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کیسے پہنچے گا؟ کیونکہ حق تعالیٰ جل مجدہ نے انتظام کر رکھا ہے۔ اس لئے درود پڑھنے والوں کا درود دربار نبوی ﷺ میں ضرور پہنچتا ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ گھروں میں نماز جائز و مستحب ہے، وہاں ترک نوافل مت کرو۔ روضہ مطہرہ کی زیارت مشروع ہے اس کو غیر مشروع امور کے ساتھ خلوط مت کرو۔ درود شریف نبی کریم ﷺ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے کہ مبادا دوری[۲] سے پہنچ نہ سکے، درود خوانی ترک مت کرو۔ اور جس طرح نماز کے لئے مسجد کا وجود لازمی نہیں اسی طرح درود کے لئے زیارت کوئی شرط لازمی نہیں بلکہ زیارت[۳] اور درود تو نور علی نور ورنہ صرف درود[۴] بھی مثمر برکات ضرور ہے۔

۲...... جزء حیاۃ الانبیاء میں موقوفاً علی ابن عباس مروی ہے: ''لیس احد من امة محمد ﷺ یصلی علیه صلوٰۃ الا وهی تبلغه یقول له الملک فلان یصلی علیک کذا و کذا صلوٰۃ'' (وهو مع کونه موقوفا فی حکم المرفوع لان مثله لایدرک بالقیاس۔ ۱۲ اب)

ترجمہ: امت محمدیہ میں سے جو شخص بھی درود پڑھتا ہے، اس کا درود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔ فرشتہ[۵] آپ ﷺ سے کہتا ہے کہ فلاں شخص[۶] نے اتنے درود پڑھ لئے ہیں۔

ابلاغ[۷] وتبلیغ صلوٰۃ

۳...... حافظ نے شرح صحیح[۸] میں بحوالہ ابوالشیخ روایت کی ہے کہ: ''من صلّی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیاً ابلغته''

---

[۱] یعنی لاتجعلوا الخ اور وصلوا الخ۔ ۱۲ منہ

[۲] وقد اخلت هذا مما اخرجه ابو یعلی الموصلی عن علی بن الحسین انه رأی رجلا یجیئ الی فرجة کانت عند قبر النبی ﷺ فیدخل فیها فیدعوا فقال الا احدثکم حدیثا سمعته عن ابی عن جدی عن النبی ﷺ قال لاتتخذوا قبری عیداً ولا بیوتکم قبوراً فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم، اھ (جمع ص ۲۰۲) ۱۲ منہ

[۳] من صلی علی عند قبری سمعته۔ ۱۲ منہ

[۴] صلوا علی حیث کنتم فان صلوٰتکم تبلغنی۔ ۱۲ منہ

[۵] یعنی وہ فرشتہ جو درود شریف پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ ۱۲ منہ

[۶] کذا و کذا کا اس جگہ عدد کے لئے ہونا ظاہر ہے جیسا کہ اس کے صلوٰۃ کا بطور تمیز واقع ہونے سے معلوم ہوتا ہے: فان قولک قبضت کذا و کذا درهما محمول علی الکنایة عن العدد ۱۲ منہ

[۷] ابلاغ پر جو احادیث شامل ہیں ان سے حیات پر اس طرح دلالت ہوتی ہے کہ جس کو کوئی چیز پہنچائی جائے، اس کا زندہ ہونا ضروری ہے۔

[۸] یعنی صحیح بخاری۔ ۱۲ منہ

ترجمہ: میری قبر کے پاس آ کر جو شخص درود پڑھ لے گا، اسے میں بذات خود سن لوں گا اور جو دور سے درود بھیجے گا اس کا درود میرے پاس پہنچایا جائے گا۔

حافظ رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ دراصل مذکورہ بالا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا لفظ ہے اور اس کی سند کو حافظ نے جید[۱] قرار دیا ہے۔

۴...... ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (جزء حیاۃ الانبیاء عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا واخرجہ النسائی واحمد والحاکم وصححہ والدارمی والبیھقی فی الشعب والبزار وابن حبان فی صحیحہ۔ قال الخفاجی اسنادہ صحیح)

ترجمہ: فرشتوں کی ایک جماعت زمین میں گھومتی رہتی ہے۔ میری امت کا سلام مجھے وہی پہنچاتے ہیں۔

۵...... ''من صلّٰی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ'' (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا جزء حیاۃ الانبیاء)

ترجمہ: یہ حدیث اسی لفظ کے ساتھ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔ اس لئے ترجمہ وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

بحث رواۃ وتصحیح

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ میں ایک راوی ابو عبد الرحمٰن ہے اور وہ غالباً وہی شخص ہے، جس کا نام ''محمد بن مروان السدی'' ہے۔ اس لئے یہ حدیث اعتراض سے خالی نہیں۔ (قول البیہقی رحمہ اللہ)

مراد یہ ہے کہ محمد بن مروان السدی مذکور کو ضعیف اور متہم بالکذب کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے حدیث کی صحت میں اشکال ہے۔

اس اشکال کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حافظ نے ابو الشیخ کے حوالے سے فتح الباری میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں اس کی تخریج سند جید کے ساتھ کی ہے۔ دوسرا جواب بیہقی رحمہ اللہ ہی کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے اعتراض بالا کا ذکر کرنے کے بعد خود ہی فرمایا ہے: وقد مضی مایؤکدہ اور اس کا مطلب حافظ کے کلام سے واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ موصوف نے فتح الباری[۲] میں اس حدیث کو دراصل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع کا دوسرا لفظ قرار دے دیا ہے۔ جس کو بسند صحیح ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (ولفظہ صلوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم) گویا حدیث نمبر ۱، ۳، ۴ ایک ہی حدیث ہے۔ جسے الفاظ کے معمولی تفاوت[۳] کے ساتھ مختلف محدثین نے روایت کیا ہے۔

---

۱ یہ علم حدیث کا اصطلاحی لفظ ہے۔ مراد یہ ہے کہ حدیث درست ہے اور اس کی سند میں کوئی رخنہ نہیں۔ اس حدیث کے متعلق مزید بحث آگے آرہی ہے۔ ۱۲ منہ

۲ فتح الباری کی عبارت یہ ہے: ومن شواھد ھذا الحدیث (یعنی الانبیاء احیاء الخ) مااخرجہ ابو داؤد من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ رفعہ وقال فیہ وصلّوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم سندہ صحیح واخرجہ ابو الشیخ سند جید بلفظ من صلّٰی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔ ۱۲ (فتح)

۳ قولہ تفاوت الخ، مثلاً: نمبر ۱ کے الفاظ میں عند القبر یا بعد عند القبر کے الفاظ نہیں اور نمبر ۲، نمبر ۳ کے الفاظ بھی ایک سے ہیں، صرف اسانید وتخریج متفاوت ہیں۔ ۱۲ منہ

اب جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث زیر بحث کی وہ سند جو ابوالشیخ کی روایات میں واقع ہوئی ہے، اعتراض بالا سے محفوظ ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے جس سند پر ابوعبدالرحمٰن کی وجہ سے اعتراض کیا تھا اس کو خود ہی زائل بھی کر دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس حدیث کو ابوداؤد کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا لفظ مانتے ہیں جو سابقا گزر چکی ہے۔ لہٰذا اولاً اعتراض بالا کی کوئی وقعت تحقیق و تفصیل صدر کے بعد باقی نہیں رہتی۔ بالفرض اگر اس کی کوئی وقعت تسلیم کی جائے۔ تب بھی اس کا تعلق صرف اس سند کے ساتھ ہوگا، جو اس کے متعلق جزء حیاۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔ مضمون حدیث کی صحت میں کوئی تردد باقی نہیں رہا۔

۶ ...... ''ان اللہ وکّل بقبری ملکا اعطاہ اسماع الخلائق فلایصلی علی احد الی یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہ و اسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک'' (عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مرفوعا اخرجہ البزار بضعف کذا فی جمع الفوائد)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو دنیا[1] بھر کی مخلوق کے کان عطا فرما کر میری قبر کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے، پس ہر شخص کو درود وہی فرشتہ قیامت تک اس کے نام اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ میرے پاس پہنچا دیا کرے گا۔

اس حدیث کو بعض راویوں کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن متعدد شواہد کے بناء پر نفس مضمون کو صحیح ماننا ضروری ہے (دیکھو حدیث نمبر ۴ جس کی صحت مسلم ہے)

عرض صلوٰۃ[2]

۷ ...... ''اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فی یوم الجمعۃ فانہ لیس احد یصلی علی یوم الجمعۃ الا عرضت علی صلاتہ'' (اخرجہ البیھقی فی الجزء عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا)

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تم جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ جو شخص جمعہ کے دن درود پڑھتا ہے، اس کا درود میرے سامنے ضرور پیش کیا جاتا ہے۔

توضیح

اس کی مزید وضاحت اگلی حدیث سے ہوگی کہ جمعہ کا درود اسی روز پیش ہوا کرتا ہے۔

۸ ...... ''اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فی کلّ یوم جمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علی فی کل یوم[3] جمعۃ فمن کان اکثرھم علی صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ'' (اخرجہ البیھقی فی الجزئ عن ابی امامۃ مرفوعاً)

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فرشتے میں ایسی قوت قدرت نے ودیعت کر رکھی ہے کہ تمام مخلوقات کے درود کو سن سکتا ہے۔ حدیث نمبر ۴ میں ایک جماعت کا درود پہنچانے پر مامور ہونا مذکور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں اسی مضمون کو ان لفظوں میں ادا کر دیا گیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ جماعت اس فرشتے کے ذریعے سے کہ جس کا ذکر حدیث ہذا میں ہے درود پہنچاتی ہو اور یہی مضمون اسماع خلائق کے اعطاء سے مراد ہو۔ واللہ اعلم!

[2] درود کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہونا تب ہی ممکن ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوں۔ اس لئے امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان احادیث کو شواہد میں محسوب کیا۔ ۱۲ منہ

[3] دوسری احادیث میں یہ قید مذکور نہیں کہ جمعہ کو درود پیش ہوتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن میں کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ امت کا درود ہر جمعہ کے روز میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پس جس کے درود کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی بلحاظ مرتبہ وہی سب سے زیادہ میرا مقرب ہوگا۔ یعنی قیامت میں میرا مقرب سب سے زیادہ وہ ہوگا جس نے سب سے زیادہ تعداد میں درود پڑھا ہوگا۔

۹...... امام نسائی اور ابو داؤد نے اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جمعہ کی فضیلت کے متعلق ایک حدیث کی تخریج کی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں: ''فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا یارسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمتَ[۱] قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء''

ترجمہ: روز جمعہ میں تم کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارے درود کا میرے سامنے پیش کیا جانا یقینی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارا درود کیسے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا، حالانکہ آپ ﷺ کے جسد اقدس کے متعلق بھی ہمارا وہی خیال ہے جو عام طور پر اموات کے ابدان کا حال مٹی میں ہوا کرتا ہے کہ ان کو خاک کھا جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سوال کا جواب یوں دیا کہ انبیاء کے اجساد کو تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کوئی عقیدہ محض بے سوچے سمجھے یا وہم پرستی کے طور پر قائم نہیں کیا ہے اور نہ ہی اپنی طرف سے یا صرف اپنے قیاس سے کسی ایسی بات کو تسلیم کیا ہے جو عادۃ اللہ کے خلاف ہو، بلکہ وہ معجزات کے قائل تھے اور عادۃ اللہ کو بھی اچھی طرح جانتے تھے، جب تک وحی آسمانی یا نطق رسالت پناہی نے ان کو کسی بات کے متعلق خرق عادت کے طور پر واقع ہونے کا سبق نہیں دیا تب تک وہ کسی امر کو اس کا عادۃ اللہ کے خلاف واقع ہونا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ہاں مادہ پرست مدعیان عقل وخرد کی طرح صرف نیچر[۲] کو آخری مؤثر یا غیر مقدور[۳] خالق برحق نہیں مانتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ''عام عادت[۴]'' اس حقیقت کو جانتے تھے جس کو آج کل نیچر یا قانون قدرت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس لئے یا تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا اور یا اس حدیث کو جمعہ کی مخصوص خصوصیت پر حمل کیا جائے گا کہ اس میں اکثار درود کا حکم دیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں کثرت کے ساتھ عرض صلوٰۃ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ ہر ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی جماعت ہوتی ہے مگر جمعہ کو جو خصوصیت جماعت کے ساتھ ہے وہ دوسرے ایام کو نہیں اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جمعہ کے دن جماعت ہوتی ہے تو اس بناء پر درست ہوگا کہ جمعہ کو جو خصوصیت جماعت کے ساتھ ہے وہ دوسرے ایام کو نہیں۔ ۱۲ منہ

[۱] ارمت مخفف ارممت ہے: یقال ارم العظم وبلی۔ ۱۲ منہ

[۲] قولہ نیچر الخ یعنی قانون قدرت جسے اصطلاح علماء میں ''عادۃ اللہ'' کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[۳] یعنی خالق کائنات کی قدرت کی ماتحتی سے الگ۔ ۱۲ منہ

[۴] قولہ عام عادت الخ، علماء کلام عادۃ اللہ (یا اللہ تعالیٰ کی عام عادت) اس کو کہتے ہیں جسے آج کل کے متنورین نیچر یا قانون قدرت سے یاد کرتے ہیں۔ شریعت نے قدرت باری تعالیٰ کو قانون قدرت پر غالب مان لیا ہے۔ اس لئے شریعت جائز رکھتی ہے کہ کسی مصلحت کی بناء پر باری تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اپنی عام عادت (یا قانون قدرت) کو بدل دے، مگر ایسا شاذ ونادر ہوتا ہے جبکہ کسی بندہ کی عزت کا اظہار مقصود ہو۔ اسی لئے ہم نے ''اللہ تعالیٰ کی خاص عادت'' اس کا نام تجویز کیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس لئے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص عادت سے اپنی عام عادت کو بدل سکتا ہے۔ ورنہ وہ قادر مطلق اور فاعل مختار نہیں ہوگا۔ لہٰذا جب کسی ممکن عقلی[۱] کو مخبر صادق[۲] کی خبر[۳] نے ثابت کر دیا تو فوراً اپنا عقیدہ بدل دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ نیچر اور قانون قدرت کو خالق کائنات نہیں جانتے تھے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حیات انبیاء فی القبور کا عقیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ابتدائی عقیدہ نہیں، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عقیدہ پہلے یہی تھا کہ انبیاء بھی دوسرے انسانوں کی طرح قبور میں جسد عنصری کو خیرباد کہتے ہوں گے۔

اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد عیاں ہے کہ جو سوال[۴] وجواب یہاں مذکور ہے، اس کا تعلق نبی کریم ﷺ کے جسد ''مع الروح'' کے ساتھ اس وقت کے بارے میں ہے۔ جب کہ آپ ﷺ عالم قبر میں تشریف فرما ہوں گے۔ اس کا تعلق[۵] محض روح کے ساتھ سمجھنا انتہائی کم فہمی ہے۔ ورنہ (معاذ اللہ) صحابہ رضی اللہ عنہم سائلین کے فہم پر اعتراض پڑے گا کہ آپ ﷺ نے روح پر درود کا ''معروض ہونا'' فرمایا تھا اور انہوں نے جسد پر قبر میں ہونے کی حالت میں ''معروض ہونا'' اس سے سمجھ لیا۔ اسی طرح حضور ﷺ کا جواب بھی محل نظر ہو جائے گا کہ اگر صرف روح پر درود کا معروض ہونا ہی آپ ﷺ کی مراد تھی تو ''وقد ارمت'' کا یہ جواب کیوں دے دیا کہ اجساد انبیاء علیہم السلام کو زمین نہیں کھاتی بلکہ یہ فرمانا کافی تھا کہ یہ معاملہ روح کا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ: ''فان صلاتکم معروضۃ علیّ'' کا مطلب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھا کہ قبر اطہر میں میرے پاس تمہارا درود لایا جایا کرے گا۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس کا ماننا اس شخص پر فرض ہے جو وجود باری تعالیٰ کو مانتا ہے۔ خدا کے وجود کا انکار کرنے والے اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک آخری مؤثر صرف نیچر یا دہر ہے۔ عام عادت اور خاص عادت کو سمجھنے کے لئے اس پر غور کیجئے کہ نیچر یعنی طبیعت کا عام قانون یہ ہے کہ روشنی گرم اور تاریکی سرد ہے۔ روشنی کو حرارت سے جدا کرنا سائنس جاننے والوں کے نزدیک ناممکن ہے لیکن جگنو (کرم شب تاب) کی دم میں جو روشنی قدرت نے پیدا کی ہے، اس میں حرارت نہیں، علماء سائنس اس کی وجہ سمجھنے سے اب تک قاصر ہیں اور جب تک یہ راز سربستہ ہے تب تک یہی کہا جائے گا کہ جگنو کی بے حرارت روشنی قدرت کی خاص عادت ہے اور دوسری تمام گرم روشنیاں قدرت کی عام عادت کا کرشمہ ہیں گویا فطرت کا ایک خرق عادت جگنو میں موجود ہے جو قدرت کی عام عادت (یا بالفاظ دیگر عام قانون قدرت) کے خلاف ہے، اس تجربہ سے وہ شخص جو وجود باری کا قائل ہے، یہ نتیجہ نکالے گا کہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت (مثلاً ہر روشنی کا گرم ہونا) کبھی کبھی اس کی خاص عادت سے بدل جایا کرتی ہے۔ علماء کلام خاص عادت کو قدرت اللہ اور عام عادت کو عادۃ اللہ کہتے ہیں اور خاص عادت یا قدرۃ اللہ کا کسی نیک بندے کے اعزاز وتائید میں عام عادت (یا قانون قدرت یا نیچر یا فطرت اور رفتار زمانے کے معروف اثرات کو بدلنا) علماء کلام کی اصطلاح میں خرق عادت کہلاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[۱] قولہ ممکن عقلی الخ فلاسفہ کے نزدیک ممکن عقلی وہ ہے جس کے وقوع سے کوئی محال عقلی لازم نہ آئے اور محال عقلی اس کو کہتے ہیں جو اجتماع نقیضین کا مستلزم ہو۔ ۱۲ منہ

[۲] قولہ مخبر صادق الخ مخبر صادق سے جناب پیغامبر ﷺ مراد ہیں۔ علماء کلام کا اصول ہے کہ چونکہ پیغمبر کی خبر سچی ہوتی کیونکہ پیغمبر کا سچا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جو بات پیغمبر کے کلام سے ثابت ہو جائے اور وہ ممکن عقلی ہو تو اس کو مان لینا اہل ایمان پر فرض ہے۔

[۳] خبر یعنی حدیث صحیح۔ ۱۲ منہ۔

[۴] یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ سوال کہ آپ ﷺ پر ہمارا درود کیسے پیش ہوگا اور آپ ﷺ کا جواب کہ انبیاء کے جسد کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

[۵] قولہ اس کا تعلق الخ کوئی مستند عالم نہ تو یہ بات کہتا ہے اور نہ ہی کہہ سکتا ہے بلکہ بعض یورپ زدہ جہلاء کو ایسی باتیں کہتے ہوئے سنا گیا ہے اور ان سے متجاوز ہو کر کند ذہنوں کے ایک گروہ میں بھی یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

آپ ﷺ کی مراد بھی یہی تھی کہ میں بروح وجسد قبر اطہر میں زندہ ہوں گا اور تمام معروضات کو قبر میں محسوس[1] ومعلوم کرلیا کروں گا۔ اور چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اب تک یہ عقیدہ انبیاء کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا، اس لئے انہوں نے سوال کیا کہ جسد تو قبر میں قائم نہیں رہا کرتا ہے۔ اس لئے وہاں آپ ﷺ پر درود کے معروض ہونے کی کیا صورت ہوگی۔ اسی بناء پر آپ ﷺ نے جواب میں جسد شریف کے متعلق ان کو وہ بات بتادی جو بطور خرق عادت کے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

الحاصل: اس حدیث سے صرف یہ ثابت کرنا کہ اجساد انبیاء کو زمین نہیں کھاتی ہے اور ان کی حیات فی القبر کو منفی سمجھنا کسی طرح بھی حدیث کے سیاق وسیاق کے ساتھ موافق نہیں اور نہ ہی اس صورت میں سیاق منتظم رہ سکتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جواب اس قسم کا ہونا چاہئے تھا ''انما تعرض صلوتک علی روحی فمالکم ولکونی ارمت مع ان ظنکم ھذا ایضا فاسد فان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' مگر جب یہ اختصاص بالروح حدیث میں مذکور نہیں تو اس قسم کا تصرف اپنی طرف سے حدیث میں کرنا کسی کو جائز نہیں اور اگر جسارت کر کے کوئی شخص ایسا کرے تو یہ اس کی اپنی رائے[2] ہوگی حدیث کا مفہوم نہیں ہوگا۔

حدیث کی تخریج اور تصحیح

حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کو ابوداؤد اور نسائی کے علاوہ امام احمد، ابن ماجہ، دارمی، ابن ابی شیبہ، حاکم (رحمہم اللہ) نے بھی روایت کیا ہے۔ (بوسنوی)

اسی طرح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابن حبان میں اس کی تخریج کی ہے۔ حاکم نے علیٰ شرط البخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے حق میں کہہ دیا ہے۔ (عون الودود) ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہہ دیا ہے۔ (فتح)

اس کی اسناد میں ایک راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے، جس کی توثیق یحییٰ بن معین نے کردی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حق میں لیس بہ باس فرمایا ہے اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں ''ھو احد العلماء الثقات'' کہہ کر جو تضعیف بخاری نے اس کی کردی تھی، اس کا جواب بھی دے دیا ہے اور بعض کی تحقیق یہ ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تضعیف نہیں کی ہے، بلکہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔ بہرکیف حدیث کی صحت مسلم ہے اور منذری نے ایک مستقل تالیف میں اس کے متعدد طرق کو جمع کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حق میں ''حدیث صحیح'' کہہ دیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے شواہد بھی اسانید کے ساتھ جمع کردیئے ہیں جو رسالہ ہذا میں بھی بحذف اسانید درج ہیں۔

ادخال[3] الصلوٰۃ فی القبر الکریم

۱۰...... ''ان اقربکم منی یوم القیمۃ فی کل موطن اکثرکم علیّ صلوٰۃ فی الدنیا من صلّی علیّ فی یوم

[1] یعنی مسموع۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی وہ اپنی ایک بات کو حدیث قرار دے دے گا جو دراصل اس کی طبع زاد بات ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہوگا۔

[3] یعنی قبر پاک میں درود شریف کا بطور تحفہ کے داخل کیا جانا۔ ۱۲ منہ

الجمعۃ و لیلۃ الجمعۃ قضی اللہ لہ مائۃ حاجۃ سبعین حاجۃ من حوائج الاٰخرۃ و ثلاثین من حوائج الدنیا یؤکل اللہ بہ ملکا یدخلہ فی قبری کما یدخل علیکم الھدایا یخبرنی من صلّی علیّ باسمہ و نسبہ الیٰ عشیرتہ فاثبتہ عندی فی صحیفۃ بیضاء ''(اخرجہ البیھقی فی الجزء عن انس مرفوعا و اخرجہ الاصبھانی فی الترغیب و الترھیب)

خلاصہ مطلب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

اوّل: یہ کہ منازل آخرت کے ہر ہر منزل میں سید دو عالم ﷺ کا زیادہ قرب اسی شخص کو حاصل ہوگا، جو دنیا میں سب سے زیادہ درود خوانی کرتا ہوگا۔

دوم: یہ کہ روز جمعہ اور شب جمعہ میں درود پڑھنے والے کے لئے یہ وعدہ ہے کہ اس کی سو حاجات پوری ہوں گی جن میں سے ستر (۷۰) حاجات کا تعلق آخرت سے اور تیس (۳۰) کا تعلق[1] دنیا سے ہوگا۔

سوم: یہ کہ ایک فرشتہ مامور ہے جو درود شریف کو اطراف ونواحی عالم سے لے جا کر اس شان کے ساتھ قبر اطہر میں داخل کرتا ہے کہ جس طرح ''ہدایا'' اور ''تحفوں'' کو دنیا میں ان کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے کہ جن کو اہل دنیا سوغات اور تحائف پیش کیا کرتے ہیں اور سرکار دو عالم کی پیش گاہ میں اس پیش کش کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی گوش گزار کرتا ہے کہ درود شریف کا یہ ''ہدیہ'' جس نے بھیجا ہے، اس کا نام، نسب، قبیلہ و عشیرہ کیا ہے؟

چہارم: یہ کہ جب درود شریف کا تحفہ پیش ہو جاتا ہے تو اس کا اندراج آپ ﷺ اپنے یہاں ایک صحیفہ بیضاء کے اندر فرماتے ہیں۔

تنبیہ: اس حدیث میں صرف ایک فرشتہ کا ذکر ہے جو حدیث نمبر ۲، ۶ کے ساتھ موافق ہے، لیکن نمبر ۴ سے مفہوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ایک گروہ کو اس خدمت پر مامور کر دیا گیا ہے۔ تطبیق کی صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس خدمت پر ایک جماعت مامور ہے اور درود پڑھنے والے اشخاص میں سے ہر ایک کے درود کو اس جماعت کے افراد ایک ایک کر کے لے جاتے ہیں۔

طریق استشہاد

مذکورہ بالا احادیث سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ درود پڑھنے والا جہاں ہو، اس کے درود کا آپ ﷺ کے حضور میں پہنچ جانا اور قبر اطہر کے پاس درود پڑھنے والوں کے درود کو آپ ﷺ کا خود سن لینا اطراف و اکناف عالم کے درود خوانوں کے تحفہ ہائے درود کو آپ ﷺ کے روضہ پاک میں داخل کیا جانا۔ پڑھنے والوں کے نام، ولدیت، نسب، قبیلہ اور درود شریف کی تعداد کا آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہونا، پھر مذکورہ بالا مراحل کے بعد آپ ﷺ کے صحیفہ بیضاء میں اس کا ثبت[2] ہو جانا ثابت کر دیتا ہے کہ سید عالم ﷺ اپنے مرقد پاک میں بروح و بجسد[3] زندہ ہیں۔ اس لئے محدثین نے ان تمام احادیث کو حدیث انس رضی اللہ عنہ کے شواہد میں شمار کیا ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ دنیاوی حوائج کی بھی دو صورتیں ایک ان مطالب کا حصول جن کو ہم مشاہدہ دیکھتے ہیں، دوم ان بلیات کو دفع کرنا جن کی ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ بسا اوقات آسمان سے اترنے والی بلا کو بندہ کی دعا روکتی ہے۔

[2] اقول و ھذا یکون بلا و امر بالفعل۔ ۱۲ منہ

[3] البتہ ہم سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے موجود ہیں، مگر باوجود آں ہم سے غائب ہیں۔ ۱۲ منہ

فصل سوم

ردِّ[1] روح کی حدیث سے استشہاد

"عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال مامن احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام "(اخرجه ابو داؤد فی ابواب المناسک من السنن واخرجه البیهقی رحمه الله فی الجزء و اورده الحافظ فی الفتح بلفظ مامن احد یسلم علی الا ارد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام ثم قال ورواته ثقات اه، اخرجه ایضاً احمد والبیهقی فی الشعب وفی الدعوات الکبیر قال النووی فی الاذکار ورياض الصالحین اسناده صحیح وصححه ایضاً ابن القیم اه ب)

اس[2] حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کبھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو میری روح کو میری طرف اللہ تعالیٰ لوٹا دے گا تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

ظاہر ہے کہ ردروح کے بعد سلام کا جواب دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حیات پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس حدیث پر ایک اشکال وارد کیا گیا ہے، وہ یہ کہ اگر روح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی "روح اقدس" اور رد سے "انفصال کے بعد پھر متصل کر دینا" مراد ہو تو اس میں "انفصال روح عن الجسد" کو "قبل الرد والاتصال" تسلیم کرنا ایک امر لازمی ہے اور یہ دراصل موت کی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کیونکہ اتصال روح مع الجسد کو حیات اور انفصال روح عن الجسد کے اثر کو ممات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ان احادیث متواترہ کے ساتھ متعارض ہے، جو حیات[3] انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتی ہیں۔

علماء حدیث نے رفع تعارض کے سلسلے میں بہت سے جوابات دے دیے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے انباہ الاذکیاء میں پندرہ جواب درج کئے ہیں، جو اس کی مراجعت سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تمام احادیث میں تطبیق کی یہ صورت نکالی ہے کہ "رد اللہ علی روحی" دراصل جملہ حالیہ ہے جس میں "قد[4]" مقدر ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "وانما ارادو اللہ اعلم الا وقد رد اللہ روحی حتی ارد علیہ السلام" (حیاۃ الانبیاء)

---

[1] ردروح کی حدیث بھی حدیث انس رضی اللہ عنہ یعنی الانبیاء احیاء الخ کے شواہد میں عند المحدثین محسوب ہے، اس لئے یہ فصل گزشتہ میں درج ہونی چاہئے تھی۔ لیکن بعض طویل الذیل مباحث کے بناء پر ہم نے اس کو مستقل فصل میں ذکر کیا۔ ۱۲ منہ

[2] اس حدیث کی شرح کئی طریقے سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس لیے اس کے ترجمے بھی متعدد ہو سکتے ہیں جیسا کہ ہر شرح کے ذیل میں ایک ایک ترجمہ آگے آئے گا۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ کر دینے کے بعد باری تعالیٰ نے تا قیام قیامت حیات مسلسل عطا فرمائی ہے، ان کے ساتھ یہ حدیث متعارض ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

[4] جب فعل ماضی حال واقع ہو تو اس سے پہلے قد کا ملفوظ یا مقدر ہونا ضروری ہے، جیسا کہ کلام پاک ہے: جاؤکم حصرت صدورھم ای وقد حصرت الخ

بیہقی رحمہ اللہ کی اس توجیہ کے بعد حدیث کا مفہوم بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب اس کے ساتھ امام سیوطی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق (کہ یہاں "حتیٰ" بمعنی "الواؤ" ہے) ملا دی جائے تو اس حدیث کا دوسری احادیث کے ساتھ کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا اور اصل عبارت یوں ہو جاتی ہے: "ما[1] من احد یسلم علی الا و قد رد اللہ علی روحی قبل ذلک و ارد علیہ السلام" یعنی وفات کے بعد جو بھی مجھ پر سلام بھیج دے گا، اس کے سلام (و درود) سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے میری روح کو میری طرف لوٹا دیا ہوگا اور میں اس کو بذات خود جواب دوں گا۔

یہ شرح بیہقی اور سیوطی رحمہ اللہ کی تحقیق صدر کے بناء پر ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ "حتیٰ" کو اپنے معنی پر باقی رکھ کر بھی امام بیہقی رحمہ اللہ کی توجیہ کافی ہو سکتی ہے اور حدیث کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا: "وفات کے بعد اللہ تعالیٰ میری روح کو میرے بدن کی طرف لوٹا دے گا تا کہ میں ہر ایک سلام بھیج دینے والے کو بذات خود جواب دوں۔"

خفاجی رحمہ اللہ "رد روح" کو "ارسال روح" کے مرادف قرار دے کر فرماتے ہیں کہ: "انبیاء علیہم السلام قبور مطہرہ میں خواب ناز جیسی راحت و سکون میں ہوتے ہیں اور جس طرح نیند سے نکلنے کو قرآنی تعبیر میں "ارسال روح" کے لفظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ اسی طرح انبیاء کا حالت مذکورہ سے نکل کرامت کے درود و سلام کی طرف متوجہ ہونا، حدیث زیر بحث میں "رد روح" کے ساتھ تعبیر[2] ہو گیا ہے۔"

مزید توضیح کرتے ہوئے خفاجی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء یہ دونوں گروہ برزخ میں زندہ ہیں، لیکن انبیاء کی حیات نسبۃً شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب کہ زمین کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا ہے تو ان کے درمیان اور خواب راحت میں سونے والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر نائم کا حالت نوم میں سننے اور بولنے سے معطل ہونا بھی مسلم ہے۔ لہٰذا استیقاظ من النوم کی سی حالت رد روح کے لفظ میں ادا کیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ رد روح کا مفہوم اس حدیث میں وہی ہے جو آیت[3] قرآنی میں ارسال روح کا مفہوم ہے "قال تعالیٰ ویرسل الاخری الی اجل مسمی الایۃ" اس تحقیق کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا کہ: "جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری یکسوئی و استغراق کو دور کر کے اس شخص کی طرف مجھے متوجہ کرے گا تا کہ اس کو جواب دوں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح بخاری رحمہ اللہ میں محدثین سے ذیل کے پانچ جواب نقل کئے ہیں:

اوّل: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح دفن ہونے کے بعد جسد اطہر کی طرف لوٹا دی گئی ہے، اسی کو رد اللہ روحی کے فقرے میں بیان فرمایا گیا ہے، نہ یہ کہ اس کا اعادہ بار بار ہوتا ہے اور بار بار اس کا نزع متحقق ہوتا رہتا ہے۔

یہ جواب وہی ہے جسے ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ اور سیوطی رحمہ اللہ سے اوپر نقل کر لیا ہے۔

---

[1] والتقدیر ما من احد یسلم علی بعد مماتی الا ویکون اللہ قد رد علی روحی قبل ذلک وارد انا علیہ السلام لکونی احییت قبل تسلیمہ۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ ھذا یشعر بان حفظ الاجساد انما ورد فی حق الانبیاء ولم یرد فی الشہداء وانما ورد فی الشہداء انہم احیاء عند اللہ فکان من المزیۃ فی الانبیاء انہ ورد فیہم حرمۃ اجسادھم علی الارض و کونہم احیاء فی قبورھم یصلون فاجسادھم محرمۃ علی الارض واجساد غیرھم تحت مشیئۃ اللہ مع ان کثیراً من اجساد الشہداء والاولیاء شواھدت بعد عہود واعصار فی قبورھم کیوم وضعت فالتفن ھذا واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ منہ

[3] قولہ تعالیٰ: اللہ یتوفی الانفس حین موتہا الایۃ۔ ۱۲ منہ

دوم: اگر رد روح سے بار بار نزع روح بھی مستفاد ہوگا، تب بھی وہ نزع موت نہیں بلکہ اس[1] میں ذرہ برابر کلفت و مشقت نہیں ہوتی۔

سوم: روح سے وہ فرشتہ مراد ہے، جس کو اس خدمت پر موکل و مامور کر دیا گیا ہے، لہٰذا رد روح کا مطلب یہ ہوگا کہ جب سلام بھیجنے والے سلام بھیجتے ہیں تو وہ فرشتہ کہ جس کے سپرد سلام (و درود) رسانی کی خدمت کی گئی ہے، آپ ﷺ کے حضور میں تحفہ درود و سلام لے کر بھیج دیا جاتا ہے تاکہ آپ ﷺ کے جواب سے وہ لوگ سرفراز ہو جائیں کہ جنہوں نے ہدیہ سلام بھیجا ہو۔

چہارم: رد روح سے نطق مراد ہے اور مجازاً روح کا اطلاق نطق[2] پر کیا گیا ہے، تاکہ ہم کو سہولت سے اصل مطلب سمجھ میں آ جائے۔

پنجم: آپ ﷺ ملأ اعلیٰ کے امور میں مستغرق[3] رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص سلام بھیجتا ہے تو اس کو جواب سے سعادت اندوز کرنے کے لئے استغراق مذکور سے باز آتے ہیں اور چونکہ امور آخرت کو امور دنیا[4] پر قیاس کرنا ممکن نہیں، اس لئے جواب ہذا پر یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ اس صورت میں ہر وقت ''رد سلام'' میں آپ ﷺ کا منہمک ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ اقطار ارض و اکناف عالم میں بے حد و حساب نفوس آپ ﷺ پر ہر وقت درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ (فتح الباری)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ﷫ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں کہ رد روح کی کیفیت جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے، یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ[5] کی ارواح کو ہمت و توجہ کے ذریعہ سے اپنی اپنی استعدادات کے مطابق جلب انوار کا موقع روح اقدس نبوی ﷺ سے حاصل ہوتا ہے: ''ثم قال وقد شاهدت ذلك مالا احصى فى مجاورتى المدينة، اھ''

---

[1] اس صورت میں نزع سے توجہ کا بدل جانا مراد ہوگا۔ فهم تارة فى الصلوٰة وتارة فى رد السلام۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی وقد تأملت فى قوله هذا فبدا لى انه اراد ان كونهم يصلون فى القبور بمنعهم عن النطق ولكن الله اذن لرسول الله ﷺ ان يرد من يسلم عليه فهذا هو رد الروح اى اذن النطق والتكلم برد السلام فافهم۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی جو اوقات نماز سے فراغت کے ہوتے ہیں۔ ان میں یا عین نماز میں ہی استغراق بھی ہو جاتا ہے اور اس سے نکلنا رد روح ہے۔

[4] قولہ دنیا الخ یعنی دنیا کی خصوصیات اور عالم آخرت کی خصوصیات ایک سی نہیں کیونکہ فانی اور باقی کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ دنیا کی خصوصیات پر اب تک بتا ما کوئی حاوی نہیں ہوا نہ ہو سکے گا۔ جو راز معلوم کئے گئے یا کئے جاتے ہیں وہ ذرہ از خروارے سے زائد نہیں: کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست اس قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید اور جو کچھ جان لیا گیا ہے وہ بھی ناقص اور اس قدر ناقص ہے کہ ہر لاحق اپنے سابق کی کوتاہی معلوم کر سکتا اور کرتا ہے۔ قدیم فلاسفہ نے بتایا تھا کہ اعراض باقی نہیں رہ سکتے اور اصوات منہ سے نکلے تو متلاشی اور نابود ہو گئے، جدید تجارب نے ثابت کر دیا کہ آواز موجود رہ سکتی اور رہتی ہے۔ پھر ریڈیو نے دکھا دیا کہ ایک آدمی اپنا ایک لفظ جس طرح اپنے سامنے ہزاروں کانوں تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح اطراف و اکناف عالم میں وہ اپنا ایک ہی لفظ پہنچا سکتا ہے، جب یہ اس دنیائے فانی کی خاصیت ہے تو امور آخرت کے اندر جو راز قدرت کے ہوں گے ان کو ہم اپنے فہم ناقص و حادث اور فانی سے کیا حل کر سکتے ہیں: کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا۔ ۱۲ منہ

[5] یعنی صلحاء امت کی ارواح جن کا رتبہ رسول اللہ ﷺ کی روح پاک سے نسبۃً ادنیٰ اور کمتر ہے۔ ۱۲ منہ

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں، جب درود وسلام کا ہدیہ کسی کی طرف سے پیش ہوتا ہے تو آپ ﷺ کی روح اقدس کے انوار اس شخص کی روح کی طرف اس کی استعداد کے مطابق ہمت[1] وتوجہ کے بدولت فائض ہو جاتے ہیں اور محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تجربہ کے مطابق اس کا مشاہدہ بھی اہل مناسبت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موصوف نے اس کے بے شمار مشاہدات مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں مجاورت روضہ مطہرہ کے موقع پر کئے ہیں۔

فصل چہارم ...... متفرقات میں

۱...... ''اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ انبانا ابو عبداللہ الصفار ثنا ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنی سوید بن سعید حدثنی ابن ابی الرجال عن سلیمان بن سحیم قال رأیت النبی ﷺ فی النوم فقلت یا رسول اللہ هؤلاء یا تونک فیسلمون علیک اتفقه سلامهم قال نعم وارد علیهم (جزء)''

خلاصہ ترجمہ: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ سلیمان بن سحیم سے نقل کیا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے نبی ﷺ نے خواب میں فرمایا: ''میں زائرین کے سلام کا احساس کرتا اور ان کے سلام کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں اور بذات خود ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ساتھ حدیث ذیل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے: ''من رأنی فقد رأی الحق فان الشیطان لایترائی بی'' (اخرجه الشیخان عن ابی قتادة مرفوعاً، ج)

ترجمہ: سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا ہے، کیونکہ شیطان کو قدرت نے اس کی طاقت نہیں دے کہ وہ میری صورت میں کسی کو خواب میں نظر آجائے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

۲...... امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف (حیاۃ الانبیاء) کے آخر میں ایک طویل حدیث کو (کہ جس میں نفخ صور کا واقعہ مذکور ہے) مزید استدلال کے طور پر درج کیا ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''لا تخیرونی علی موسی فان الناس یصعقون[2] فاکون اول من یفیق فاذا موسی باطش بجانب العرش'' (الحدیث) جزء حیاۃ الانبیاء۔

اور اس میں قیامت قائم ہونے کی کیفیت اس طرح مذکور ہے کہ نفخہ اولیٰ[3] سے سکان سماوات وارض سب کے سب (باستثناء من شاء اللہ) سکتہ کی حالت میں پڑ جائیں گے۔ پھر جب دوسری مرتبہ نفخ صور ہوگا اور سب کے سب مخلوقات زندہ ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اور موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے دیکھوں گا۔

---

[1] قولہ ہمت الخ ہمت کا اطلاق عزم قوی پر اور دعا پر ہوتا ہے۔ یہاں ہمت سے اصحاب دل اور اولیاء اللہ کی توجہ کامل مراد ہے۔ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درود خوان ارباب ہمم وتوجہ کا میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ ان کی ارواح کی توجہ وہمت بارآور ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس کے فیوض انوار ان پر افائض ہو گئے۔ اسی حقیقت کو رد اللہ روحی کے لفظوں میں بتایا گیا ہے۔

[2] قولہ یصعقون الخ یقال: صعق کسمع و صعق بصیغة المجهول ای غشی علیه وذهب عقله من صوت یسمعه۔

[3] قولہ نفخہ الخ، نصوص شرعیہ کے مطابق جب قیامت کا وقت قریب ہو جائے گا تو پہلے سب کو فنا کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد سب کو زندہ کر دیا جائے گا۔ پہلے سب کو فنا کر دینا بھی صور کی آواز سے ہوگا۔ پھر سب کو زندہ کر دینا بھی دوسری مرتبہ صور کی آواز سن کے ہوگا، اسی کا ذکر حدیث ہذا میں ہے۔ ۱۲ منہ

قابل غور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات اقدس کے بارے میں اس حدیث میں نفخہ ثانیہ کے بعد زندہ ہوجانے کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ افاقہ یعنی ہوش میں آجانے کا لفظ اختیار کر کے یوں فرمایا ہے کہ: سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اور یکایک موسی علیہ السلام کو دیکھوں گا عرش کو پکڑے ہوئے ہیں۔ (نبی کریم ﷺ آگے چل کر حدیث مذکور میں فرماتے ہیں کہ) پس مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا موسی علیہ السلام مجھ سے پہلے افاقہ پا چکے ہوں گے یا یہ کہ آپ علیہ السلام پر نفخہ اولی کی غشی طاری ہی نہیں ہوئی ہوگی بلکہ صعقہ طور کو نفخہ اولی کی غشی کے عوض میں ان کے حق میں محسوب کر دیا گیا ہوگا۔

طریق استدلال

یہ حدیث صحیحین اور ابوداؤد و ترمذی وغیرہ میں متعدد اسانید سے مروی ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کی صورحال بیان فرمائی ہے جبکہ تمام لوگ نفخہ ثانیہ سے زندہ ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ[1] سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اور افاقہ کہتے ہیں غشی وہ بیہوشی کے بعد ہوش میں آنے کو، جس سے لازماً و اقتضاءً ثابت ہوا کہ نفخہ اولی کے موقع پر یا اس سے پہلے بھی آپ ﷺ زندہ ہوں گے۔ البتہ نفخہ اولی کے موقع پر آپ ﷺ پر غشی کی سی حالت طاری ہوگئی ہوگی، جو نفخہ ثانیہ سے دور ہوگی اور آپ ﷺ کو افاقہ حاصل ہوجائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس حدیث کے اگلے فقرہ میں فرمایا کہ: ''جب میں افاقہ پاؤں گا تو یکایک میری نظر موسی علیہ السلام پر پڑے گی اور وہ عرش کے کنارے کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا، آیا وہ مجھ سے پہلے افاقہ پا چکے ہوں گے یا یہ کہ ان پر نفخہ اولی کے موقع پر کسی قسم کی غشی طاری ہی نہ ہوئی ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ موسی علیہ السلام نفخہ ثانیہ کے موقع پر زندہ نہیں ہوجائیں گے بلکہ ان پر بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح نفخہ اولی کا اثر صرف غشی کی صورت میں پڑا ہوا ہوگا، اور یا وہ غشی طاری ہونے سے بھی محفوظ رہے ہوں گے۔ پس جب حشر کے موقع پر اس حدیث کی تصریح کے مطابق خاتم الانبیاء اور موسی علیہما السلام پر نفخہ ثانیہ کا اثر زیادہ سے زیادہ صرف افاقہ کی صورت نمودار ہوگا تو ضروری ہے کہ نفخہ اولی سے ان پر غشی طاری ہوئی ہو اور غشی کا محل وردود وہ بدن ہوتا ہے جو زندہ ہو۔ لہٰذا نفخہ اولی کے موقع پر بھی ان کی یہ زندگی ختم نہ ہی ہوئی ہوگی، بلکہ صرف غشی کی کیفیت کی صورت میں نفخہ ثانیہ کا اثر ان کے اجساد مطہرہ پر وارد ہوا ہوگا، مگر موسی[2] علیہ السلام کے بارے میں یہ غشی بھی متیقن نہیں۔

''قال القرطبی نقلاً عن بعض مشائخه الموت لیس بعدم محض بالنسبة الی الانبیاء علیهم السلام والشهداء فانهم موجودون احیاء وان لم نرهم فاذانفخت نفخة الصعق صعق کل من فی السماء والارض، وصعقة غیر الانبیاء موت وصعقتهم غشی فاذا کانت نفخة البعث عاش من مات وافاق من غشی ولذا وقع فی الصحیحین فاکون اول من یفیق۔ اھ (ب)''

خلاصہ ترجمہ: قرطبی رحمہ اللہ اپنے ایک شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام موجود اور زندہ ہیں۔ اس لئے

---

[1] یعنی محشر میں قبر پاک سے نکلنے کے موقع پر۔

[2] حضرت موسی نے رب العزۃ جل شانہ سے دیدار کی استدعا کی۔ جواب ملا کہ تاب نہیں لا سکتے ہیں، ہاں کوہ طور کی طرف دیکھتے رہیں۔ اتنے میں رب العزت کی تجلی کوہ طور پر جلوہ افروز ہوئی تو موسی علیہ السلام پہاڑ پر تجلی کی حالت میں نظر نہیں جما سکے بلکہ ہوش و حواس کو بھی خیر باد کہہ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے اسی کو صعقہ طور کے ساتھ حدیث زیر بحث میں یاد کیا گیا ہے۔

ان کے حق میں موت کو عدم محض نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہم ان کو دیکھتے نہیں، پس جب وہ زندہ اور موجود ہیں تو قیام قیامت کے موقع پر جب نفخہ اولیٰ کا واقعہ پیش آئے گا جس کا اثر آیت قرآنی میں ''فصعق من فی السمٰوات ومن فی الارض '' کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تو غیر انبیاء کے صعقہ کی حقیقت وہی ہوگی جسے موت کہا جاتا ہے، لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے صعقہ کی کیفیت غشی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس لئے جب نفخہ ثانیہ کا موقع آئے گا تو غیر انبیاء کو اس سے حیات دوبارہ حاصل ہوگی، مگر انبیاء پر اس کا اثر صرف یہ ہوگا کہ وہ حالت غشی سے افاقہ پائیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث مذکور (فاکون اول من یفیق) کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''وھذا انما یصح علی ان اللہ جل ثنائہ رد الی الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء فاذا نفخ فی النفخۃ الاولی صعقوا ثم لایکون موتا فی جمیع معانیہ الا فی ذھاب الاستشعار ''

ترجمہ: یعنی (صحیحین[1] کی) حدیث مذکور میں ''افاقہ'' کا جو واقعہ مذکور ہے وہ صرف اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی روح کو لوٹا دیا ہو۔ اس لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ بھی شہداء کی طرح عند اللہ زندہ ہیں اور جب نفخہ اولیٰ میں ان پر صعقہ کا ورود ہوگا تو موت کی ساری کائنات سے ان کو دوچار ہونا نہیں پڑے گا بلکہ موت کی خصوصیات میں سے صرف عدم احساس یعنی بیہوشی کا اثر ان میں پایا جائے گا۔

تفصیل بالا سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح بھی حدیث انس رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

۳...... ''روی ابو نعیم عن سعید بن المسیب رحمہ اللہ قال لقد رأیتنی لیالی الحرۃ وما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیری ومایأتی وقت صلوٰۃ الا وسمعت الاذان من القبر (بو سنوی) ''

ترجمہ: ابو نعیم نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ''واقعہ حرہ[2]'' کے ایام میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر میرے سوا دوسرا کوئی متنفس نہیں تھا۔ ان ایام میں جب نماز کا وقت ہو جاتا تو میں قبر اطہر سے اذان سن لیتا تھا۔

(ابو نعیم کے علاوہ اس واقعہ کو زبیر بن بکار نے بھی ''اخبار مدینہ'' میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ اور قاضی عیاض نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔)

۴...... فاضل ازہری ''تعلیق الحیاۃ'' میں کہتے ہیں:

''وقد دل القرآن علی حیاۃ الانبیاء بعد وفاتھم ایضاً وذلک ان اللہ تعالیٰ قال: ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم، الایۃ! فھذا الایۃ تدل علی حیاۃ جمیع الانبیاء بعد وفاتھم بمفھوم الموافقۃ وذلک ان الانبیاء اولیٰ بتلک المنقبۃ''

ترجمہ: یعنی حیات شہداء جس نص قرآنی سے ثابت ہے وہی اپنے مفہوم موافقت کے ساتھ حیات انبیاء

---

[1] قرطبی اور بیہقی رحمہم اللہ وغیرہما کے اس طرح استدلال کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کے بعض روایات کو جو بلفظ ''فاکون اول من یبعث'' صحیحین وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں۔ روایۃ بالمعنی پر ان حضرات نے محمول کیا اور اصلی لفظ مرفوع من یفیق ہی کو قرار دیا ہے۔

[2] یہ ایک شورش اور لڑائی کا مشہور واقعہ ہے، جس میں مدینہ مطہرہ اور اہل مدینہ کی حرمت کی کوئی پروا نہیں کی گئی اور مسلمان کہلانے والوں کے ہی ہاتھوں اہل مدینہ کی وہ بے حرمتی ہوئی کہ اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دہشت و بدامنی کا یہ حال تھا کہ مسجد نبوی میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے سوائے کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا اور نہ کوئی نماز یا زیارت کے لئے آ سکتا تھا۔

پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک فضیلت ہے اور انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ اس کے لئے موزوں ہیں۔

۵...... تلخیص الحبیر میں حافظ نے اس پر بحث کرتے ہوئے (کہ آیا انبیاء زندہ ہونے کے بعد اپنی قبور میں رہتے ہیں یا یہ کہ ان کو وہاں سے اٹھایا جاتا ہے؟) قبور میں ان کا قیام (یعنی استقرار فی القبور) ہی راجح قرار دے کر فرمایا ہے: ''وقد افرد البیهقی جزا فی حیاۃ الانبیاء فی قبورهم واورد فیه عدۃ احادیث تؤید هذا وقال فی دلائل النبوۃ "الانبیاء احیاء عند ربهم کالشهداء" وقال فی کتاب الاعتقاد الانبیاء[1] بعد ما قبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء عند ربهم کالشهداء''

ترجمہ: امام بیہقی رحمہ اللہ نے حیات انبیاء کے اثبات میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں بعداد کثیر احادیث کو امام ممدوح نے جمع کر دیا ہے اور وہ تمام احادیث اس مسئلہ کی تائید کرتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اسی طرح (حدیث کی مشہور کتاب) دلائل النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ پھر ''کتاب الاعتقاد'' میں فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے جن کی ارواح کو قبض کیا گیا ہے وہ سب کے سب قبض ارواح کے بعد پھر زندہ کئے گئے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اپنے پروردگار کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔

اس عبارت میں پوری وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ محدثین کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور یہ کہ دنیا میں قبض ارواح کے بعد ان انبیاء کی ارواح (کہ جنھوں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے) پھر سے ان کے اجساد کی طرف واپس کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی ان کی ارواح واجساد میں پھر سے وہ تعلق قائم کر دیا گیا ہے، جس کا اثر زندگی ہوتی ہے۔

۶...... انباہ الاذکیاء میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے ایک فتویٰ علامہ بارزی کا نقل کیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، پھر استاذ ابومنصور عبدالقاہر بغدادی شیخ الشافعیہ سے یہ مضمون نقل کیا ہے: ''ہمارے متکلمین محققین کا قول ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ امت کی طاعات سے مسرور اور گنہگاروں کے معاصی سے محزون ہوجاتے ہیں۔ امت کا درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاتا ہے اور یہ کہ اجساد انبیاء کو زمین ضائع نہیں کرسکتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام عمر کے ایام پورے کر کے وفات پاگئے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صدہا برس گزر چکنے کے بعد اپنے زمانے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) قبر میں نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اسی طرح معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی دیکھ لیا۔ پس جب یہ اصل ثابت ہوگئی تو ہم اسی کے بناء پر کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد پھر زندہ ہو چکے ہیں اور اپنی نبوت پر بحالہ قائم ہیں۔ (انتہی کلام الاستاذ) امام بیہقی رحمہ اللہ کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ قبض ارواح کے بعد (وفات پانے والے) انبیاء علیہم السلام کے ارواح کو ان کے اجساد میں پھر سے لوٹا دیا گیا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے بعد بھی نبی اللہ اور رسول اللہ اور صفی اللہ اور خیرۃ اللہ من خلق اللہ الآن کما کان ہیں۔'' (انتہی جواب البارزی الذی اوردہ الیسوطی فی تعلیق الحیاۃ نقلا عن الانباہ للسیوطی رحمہ اللہ)

تمام اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ

۷...... المعتمد کو اہل سنت و جماعت کی بہت بڑی معتبر و مستند کتاب سمجھا جاتا ہے جو امام تورپشتی کی تالیف فارسی زبان میں ہے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ علم کلام کے مسلم الثبوت امام مان لئے گئے ہیں۔ اسی کتاب سے ان کی دو

[1] یہ الف لام عہد خارجی ہے یعنی جن انبیاء کا انتقال مسلّم ہے فعیسیٰ علیہ السلام خارج۔

عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ محدثین کے مذکورہ بالا عقیدہ کو تمام اہل سنت اور علم عقائد و کلام کے ائمہ نے قبول کرلیا ہے، امام تورپشتی کتاب مذکور کی ابتداء میں حمد کے بعد رقمطراز ہیں کہ: ''صلوات وبرکات چندانکہ فہم ازو پرشود واندیشہ دروگم گردد از سراپردہ کبریائی او نثار روان پاک و'' کالبد زندہ'' ساکن مدینہ، میزبان حضور ربوبیت ورہنمائے طریق عبودیت۔ امیں عالم غیب وترجمان وحی بلاریب محمد مصطفیٰ ﷺ''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں اس قدر کہ انسانی سمجھ کو بھر دیں اور مخلوقات کا قیاس و اندازہ ان کی بہتات میں گم ہوجائے، رب العزت کی درگاہ کبریائی سے، مدینہ میں سکونت رکھنے والے، حضور ربوبیت کے میزبان، طریقہ بندگی کے رہنما، عالم غیب کے امانتدار، وحی بلاریب کے ترجمان یعنی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے زندہ جسد اور پاک روح پر نچھاور ہوجیو۔

اس عبارت میں رسول اللہ ﷺ کے بدن پاک کو'' کالبد زندہ'' سے یاد کیا گیا ہے اور'' کالبد'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا اطلاق جسم، تن قالب پر ہوتا ہے۔ پھر اسی کتاب کے باب چہارم میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''وازاں جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبد وے راز مین نخوردو بوسیدہ نشود و چوں زمین ازوے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد وحشر وے ﷺ و جملہ انبیاء چنیں باشد وحدیث درست است کہ ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء هم[1] احیاء فی قبورهم یصلون'' واول ہمہ پیغمبرا برخیزد از گور دانستن ایں ہمہ کہ یاد کردیم مہم است تا از توقیر و تعظیم رسول ﷺ کہ حق تعالیٰ برما فرض کردہ است بوجہ خوب بجائے آوردہ شود در جمیع امور'' (کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲، فصل ۴ للتورپشتی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقائد میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان اس امر کا یقین کرے کہ نبی کریم ﷺ کے جسد کو زمین نہیں کھائے گی اور وہ بوسیدہ نہیں ہوگا اور یہ کہ جب قبر پاک کی جگہ چاک ہوگی تو آپ ﷺ کا بدن پاک کسی قسم کے تغیر کے بدون بحالہ ہوگا اور آپ ﷺ کا، و نیز دیگر تمام پیغمبروں کا حشر بھی قیامت میں اسی طرح ہوگا (کہ سب کے اجساد اپنی اصلی حالت میں کسی قسم کے تغیر کے بدون زمین سے نکلیں گے) یہ ایک حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو زمین پر حرام کررکھا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، سب سے پہلے ہمارے رسول کریم ﷺ قبر اطہر سے نکلیں گے۔ یہ تمام باتیں جو ہم نے یہاں بیان کیں، ہر مسلمان کو بطور عقیدہ کے معلوم ہونی چاہئیں، کیونکہ ان کے جاننے اور ان کا یقین رکھنے سے ہی جناب رسول مقبول ﷺ کی وہ تعظیم و توقیر جسے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے، تمام امور میں بجالائی جاسکتی[2] ہے۔ (عقائد تورپشتی باب دوم فصل چہارم)

ان دونوں عبارتوں میں اہل سنت و جماعت کا یہ متفق علیہ عقیدہ مذکور ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا جسد پاک مدینہ منورہ میں روضہ مطہرہ کے اندر بلا کسی تغیر کے اپنی اصلی حالت پر الآن کما کان موجود اور زندہ ہے اور اسی حال پر حشر تک باقی رہے گا اور یہ کہ وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کا اجساد انبیاء کو زمین پر حرام کردینا و نیز وہ حدیث

---

[1] لفظ حدیث یہ ہے ''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' گما تورپشتی نے بجائے اسم ظاہر کے اسم ضمیر کو بغرض اختصار استعمال کیا ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ اسلام کا رکن اول شہادتین کا اقرار و ایمان ہے اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا مقصد جن امور سے حاصل ہوگا۔ ان میں ان عقائد کو مان لینا اور ان کو تسلیم کرنا داخل ہے۔ ۱۲ منہ

جس میں ان انبیاء کا کہ جن کا وصال ہو چکا ہے، اپنی قبور میں زندہ ہونا اور نماز میں مشغول ہونا مذکور ہے۔ امام تورپشتی جیسے امام الحدیث والکلام کے اعتراف کے مطابق صحیح و درست ہے۔

۸...... امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مدینہ منورہ میں داخل ہو جائے یا وہاں سے باہر جانا چاہئے تو حاضری اور رخصت کے دونوں مواقع پر اسے نبی کریم ﷺ کو سلام کرنے کے بعد مدینہ میں قیام کرنا یا وہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ (شفاء شرح شفاص ۱۵۵)

اس سے ثابت ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حیاۃ انبیاء کی احادیث بلاشبہ صحیح و ثابت ہیں۔

۹...... ابن سیرین رحمہ اللہ راوی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے: ''صلی اللہ و ملائکته علی محمد السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ و برکاته باسم اللہ دخلنا و باسم اللہ خرجنا و علی اللہ توکلنا''

پھر جس وقت مسجد نبوی ﷺ سے باہر جانے کا ارادہ کرتے تو نکلتے وقت بھی یہی کلمات کہہ کر باہر نکلا کرتے تھے۔ (نقله القاضی عیاض فی الشفاء عن ابن سیرین رحمہ اللہ)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس معمول سے ثابت ہوا کہ وہ احادیث جو آپ ﷺ کی حیات فی القبر و نیز عند القبر درود و سلام سن لینے اور جواب دینے پر دلالت کرتی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک صحیح و ثابت تھیں اور ان ہی کے بناء پر انہوں نے اپنا معمول یہ بنایا تھا۔

۱۰...... منکرین حیات شہداء و انبیاء کو اہل حق کے فرقہ سے خارج سمجھا گیا ہے اور امام رازی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ حیات شہداء فی البرزخ کا انکار معتزلہ کا ایک فرقہ کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

۱۱...... زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں حجاج کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے اس کے کفر میں اختلاف کر لیا ہے، مگر امام ابوعبداللہ بن عرفہ کا مختار یہی ہے کہ وہ کافر تھا اور ''کامل'' میں مذکور ہے کہ حجاج کی تکفیر جن امور کی بناء پر کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے حجرہ شریفہ کے زائرین کی ایک جماعت کے بارے میں یہ کہہ دیا تھا کہ: ''انما یطوفون باعواد و رمة'' (یہ لوگ لکڑیوں اور بوسیدہ ہڈیوں کے ارد گرد گھوم رہے ہیں) علامہ دمیری رحمہ اللہ (مالکی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ یہ فقرہ کہنے کی وجہ سے حجاج کی تکفیر اس بناء پر کی گئی ہے کہ اس میں اس نے نبی کریم ﷺ کی حدیث ''ان اللہ[1] حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' کی تکذیب کی تھی۔ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۵۶)

۱۲...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ شرح بخاری میں منکرین حیات کا استدلال مع الجواب حسب ذیل بیان کرتے ہیں:

''(قوله لا یذیقک اللہ الموتتین) وقد تمسک به من انکر الحیاة فی القبر واجیب عن اهل السنة المثبتین لذلک بان المراد نفی الموت اللازم من الذی اثبته عمر بقوله ولیبعثه اللہ فی الدنیا لیقطع ایدی القائلین بموته ولیس فیه تعریض لما یقع فی البرزخ واحسن من هذا الجواب ان یقال ان حیاته ﷺ فی القبر

---

[1] اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان کو حرام کر دیا ہے۔ اھ ا یہ حدیث بتاتی ہے کہ پیغمبروں کے ابدان کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی ہے۔ اس لئے کسی پیغمبر کے بدن کو بوسیدہ ہڈیوں سے یاد کرنا اس حدیث کے انکار کا مستلزم ہے۔ ۱۲ منہ

لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم و لعل ھذا ھو الحکمۃ فی تعریف الموتتین ای ...... الموتتین الواقعتین لکل احد غیر الانبیاء "(فتح الباری، ابواب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ) "وقیل[1] اراد لایموت موتۃ اخری فی القبر کغیرہ اذیحیی لیسئل لم یموت" (فتح ابواب الجنائز)

خلاصہ ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال جب ہوا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پریشانی سے مغلوب الحال ہوکر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال ہی کا انکار کرنے لگے اور کبھی یہ کہنے لگے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ عنقریب دفن سے پہلے دنیا ہی میں اس لئے زندہ کرے گا کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے قائل ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ قطع کریں گے۔" تو اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ضبط قائم اور تیقظ بالکل بحال رہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تشدد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ دو مرتبہ موت کا ذائقہ نہیں چکھائے گا" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہوگئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے ساتھ منکرین حیات انبیاء نے تمسک کیا ہے اور اہل[2] سنت نے جو حیات کے قائل ہیں ان کو یہ جواب دے دیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہونے کا اثبات و اقرار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مرنا نہیں ہے۔ (کیونکہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کا قول درست ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن سے پہلے ہی پھر زندہ ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دنیا میں دو مرتبہ ہو جاتی، حالانکہ یہ درست نہیں۔) رہا یہ کہ برزخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا، اس کے متعلق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اظہار خیال بالکل نہیں کیا (اور نہ اس کا کوئی موقع تھا) حافظ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کی شرح اس طرح کی جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام مخلوق کی طرح دو مرتبہ موت سے دوچار ہونا نہیں ہے بلکہ قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ زندہ رہنا ہے جیسا کہ یہی حال دوسرے انبیاء کرام کا بھی اپنی قبور میں ہے۔ غیر انبیاء کو دو دفعہ موت کا سامنا کرنا ہوتا ہے جو شرعاً معلوم و معہود ہے، اور بہت ممکن ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام میں "الموتتین" کے لفظ میں لام عہد ان ہی دو موتوں کی طرف مشیر ہو جن کا غیر انبیاء کے لئے واقع ہونا شریعت کے واقفین کے یہاں معلوم و معہود ہے۔

یہ مضمون حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کے ابواب المناقب کی شرح میں بیان کیا ہے اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ابواب الجنائز میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقولہ مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے بھی ایک قول کے بیان میں اسی مضمون کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ادا کیا ہے کہ دو مرتبہ موت کا ذائقہ نہ چکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے اور اب دوسروں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں دوسری مرتبہ ہرگز ہرگز مرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ دوسروں کو قبر میں سوال کئے لئے جب زندہ کر دیا جاتا ہے تو سوال کے بعد وہ پھر مرجاتے ہیں (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد پھر موت کا ذائقہ چکھنے سے محفوظ و مصؤن ہیں)

---

[1] یہ فتح الباری کی دوسری جگہ کی عبارت ہے جو اس مضمون کو ادا کر رہی ہے، جسے عبارت بالا میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد متعدد عبارات کی نقل کرنا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ مضمون مندرجہ بالا محدثین کے درمیان مشہور و معروف ہے۔ اگرچہ قلیل الاستعداد لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ اہل سنت الخ، منکرین حیات فی القبر کے مقابل جو جماعت ہے ان کو اہل سنت کے نام سے یاد کرنے میں۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے کہ منکرین حیات انبیاء فی القبور زمرہ اہل سنت سے خارج ہیں۔ جیسا کہ امام رازی نے ان کو معتزلہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

حافظ رحمہ اللہ کے ان بیانوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات فی القبر کا انکار جو شخص یا جو فرقہ کرتا ہے وہ اہل سنت اور متبعین حدیث و گروہ محدثین سے خارج اور جدا ہے۔

خاتمہ

قبور میں عبادت کی نوعیت

جب نصوص صحیحہ سے انبیاء علیہم السلام کا برزخ میں بروح و بجسد زندہ ہونا اور ان کا عبادات متعددہ میں مشغول ہونا ثابت ہو چکا تو اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز یا دیگر عبادات کا سلسلہ شرعاً موت کے بعد کیسے باقی رہ سکتا ہے کیونکہ موت سے تکلیف[1] باقی نہیں رہتی؟

اس کا جواب حافظ رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ قبور میں عبادات دار التکلیف ہی کی عبادات ہیں جیسا کہ عبارت ذیل سے (جو بخاری کی ابواب التفسیر کی شرح سے نقل کی جاتی ہے) واضح ہے: "احدها الانبیاء افضل من الشهداء والشهداء احیاء عند ربهم فكذالك الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا و یحجوا و یتقربوا الی الله بما استطاعوا ما دامت الدنیا وهی دار تكلیف باقیة" (فتح الباری فی شرح قول البخاری باب قول الله اذا انتبذت من اهلها)

ترجمہ: جب انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو یہ امر بھی مستبعد نہیں کہ نماز، حج و دیگر قربات کو حسب استطاعت دنیا کے بقا تک کرتے رہیں۔ در آں حالیکہ دنیا کا دار التکلیف ہونا مسلم ہے۔

حافظ رحمہ اللہ کے اس سوال و جواب میں غور کرنے سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہے کہ انبیاء کی کس قسم کی حیات کو ائمہ حدیث اور گروہ محدثین نے تسلیم کر لیا ہے، اور اسی سے قبور میں ان کی عبادات کی نوعیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

شبہ تعارض اور اس کا جواب

اس کے علاوہ ایک اور جگہ ابواب الحج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج اور نماز کے متعلق حافظ رحمہ اللہ نے قرطبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ عبادات تکلیفیہ نہیں بلکہ جس طرح اہل جنت کو ذکر اللہ کا اشتیاق اس بناء پر پیدا ہوگا کہ وہ ان کو مرغوب و محبوب ہے۔ اسی طرح یہ عبادات بھی نفوس انبیاء کو مرغوب ہیں۔ اس لئے حضرات انبیاء سے عالم قبر میں صادر ہوتی ہے۔

لیکن ان دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حافظ رحمہ اللہ نے ابواب الحج میں جو وجہ نقل کی ہے وہ قرطبی رحمہ اللہ کا بیان ہے جس کا تعلق ارواح[2] انبیاء کے ساتھ ہے جبکہ ان کی ارواح قبور سے باہر ہو کر یہ عبادات ادا کریں اور یہاں (یعنی ابواب التفسیر میں) ان عبادت کے متعلق حافظ رحمہ اللہ اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں جو اجساد مبارکہ سے قبر میں صادر ہوتی ہیں۔ (وسیاتی ابسط من ہذا ان شاء اللہ!)

---

[1] یعنی مرنے کے بعد آدمی پر شریعت کوئی فرض عائد نہیں کرتی۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ ارواح الخ رسالہ ہذا کی فصل اول میں یہ اختلاف گزر چکا ہے کہ آیا اجساد انبیاء بھی قبور سے باہر آتے ہیں یا صرف ان کی ارواح اور اگر اس قول کو لیا جائے کہ صرف ارواح قبور سے باہر آ کر عبادات میں مشغول ہوتی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے تو اروح کا اشتغال بالعبادات اس وجہ پر مبنی ہو سکتا ہے جو قرطبی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے کیونکہ روح محل تکلیف نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت غیر تکلیفی ہوگی اور جسد محل تکلیف ہے۔ اس لئے اگر زندہ جسد کی عبادت دار التکلیف کی حالت بقاء کے ایام میں تکلیفی ہو تو یہ مستبعد نہیں۔

فذلکہ

میں نے اس رسالہ میں کوشش کرلی ہے کہ ہر بات کو ائمہ حدیث اور محققین علمائے اہل سنت سے نقل کروں، سوالحمدللہ یہ کوشش بارآور ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ احادیث مرفوعہ صحیحہ اور آثار صحابہ وتابعین، اقوال ائمہ حدیث، نقول محدثین سے ثابت ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبض ارواح کے بعد پھر زندہ کئے گئے ہیں، یعنی ان کی ارواح مقدسہ کو ان کے اجساد مبارکہ کی طرف ہمیشہ کے لئے لوٹا دیا گیا ہے اور وہ محو اولی تک عبادات میں مشغول ہیں اور رہیں گے جب دلائل نقلیہ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوگیا تو اگر ہم کو ان کی حیات کا احساس نہ ہو تو اس سے ان کا عدم حیات لازم نہیں آتا، بلکہ جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی ان کا یا ان کے زندہ ہونے کا کوئی احساس ہم کو ہوتا ہے، لیکن دلائل نقلیہ سے ان کا وجود اور ان کی حیات ثابت ہونے کی وجہ سے شرعاً ہم ان کے وجود و حیات کے قائل ہونے پر مجبور[1] ہیں۔ اسی طرح محض ہمارے نہ دیکھنے یا ہمارے عدم احساس سے حیات انبیاء علیہم السلام منتفی نہیں ہوسکتی بلکہ یہ نظریہ قائم کرنا کہ جس چیز کا احساس ہم کو نہیں، اس کا وجود بھی نہیں۔ شرح کے علاوہ فلسفہ قدیم وجدید اور عقل سلیم کے بھی قطعاً خلاف ہے جسے کوئی تعلیم یافتہ (خواہ علوم قدیمہ کا ہو خواہ علوم جدیدہ کا) کسی حال میں مان نہیں سکتا۔ کیونکہ جہالت اور تاریک خیالی، بے علمی اور ہٹ دھرمی کی بنیاد اسی پر ہے کہ جس چیز کا علم یا احساس ہم کو نہیں اس کا وجود ماننا نہ چاہئے۔

رہا یہ سوال کہ ان کی حیات کی کیفیت ونوعیت کیا ہے؟ اور غیر انبیاء کی جو حیات اہل سنت نے تسلیم کرلی ہے، اس میں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کیا فرق ہے؟ سو طریقہ سلف کے مطابق ایسے مسائل میں اہل حق کا مسلک اگرچہ اس قسم کی تدقیقات سے اجتناب کرنے میں منحصر ہے تاہم گزشتہ مباحث سے عام اموات اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے درمیان یہ فرق معلوم کرنا آسان ہے کہ عام اموات کے اجساد کو زمین پر حرام نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہ تحت المشیۃ[2] ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ارواح کے اعادہ کے بعد پھر سے اذاقہ موت سے دوچار ہونا نہیں، انبیاء کی حیات نسبۃً حیات شہداء سے بہت زیادہ قوی ہے۔ فضائل وکمالات کے تفاوت سے قطع نظر کرکے ارواح کا نفس بقاء ایک امر مشترک ہے اور غیر انبیاء کی حیات برزخی کا تعلق بہ درجہ اتم ان[3] کی ارواح کا اتصال ان کے اجساد کے بعض اجزاء کے ساتھ ہوجانا بھی بعض[4] محدثین نے حدیث "ان احدکم اذا مات عرض علیه مقعده بالغداة والعشی الخ اخرجه البخاری فی ابواب الجنائز وغیره عن عبدالله بن عمر" کے بناء پر یا اسی قسم کی دیگر نصوص صحیحہ کے بناء پر مان لیا ہے اور بعض نے اس کا انکار کرکے صرف روح کے ساتھ عرض مقعد کا متعلق ہونا تسلیم کرلیا ہے۔

---

[1] مجبور الخ کیونکہ فرشتوں کا انکار موجب کفر ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ تحت المشیۃ الخ چنانچہ بہت سے اجساد غیر انبیاء کو صدیوں کے بعد قبور میں علیٰ حالہا دیکھا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] قولہ ان کی الخ یعنی غیر انبیاء کی۔ ۱۲ منہ

[4] قولہ بعض الخ قال ابن التین...... وهو محمول علی انه یحیی منه جزء لیدرک ذلک...... وقال القرطبی یجوز ان یکون هذا العرض علی الروح فقط ویجوز ان یکون علیه مع جزء من البدن...... ثم هو مخصوص بغیر الشهداء لانهم احیاء وارواحهم تسرح فی الجنة...... (قال الحافظ رحمہ اللہ) وفی هذا الحدیث ان الروح لاتفنی بفناء الجسد لان العرض لایقع الا علی حی واستدل به علی ان الارواح علی افنیة القبور یعنی انها قد تکون علی افنیة قبورها لا انها لاتفارقها بل هی کما قال مالک بلغه ان الارواح تسرح حیث شاءت الخ (فتح الباری ملخصاً باب المیت یعرض علیه مقعده بالغداة والعشی)

بعض[1] کی تحقیق کے مطابق برزخی تعذیب وغیرہ کا احساس وادراک عالم مثال کے اجساد کے ساتھ مخصوص ہے۔
دونوں (یعنی حیات انبیاء اور حیات غیر انبیاء) کے درمیان فرق معلوم کرنے کے لئے یہ ایک اجمالی خاکہ ہے، جس سے زیادہ کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں اور حیات مذکور کی نوعیت میں یہ کہنا کافی ہے کہ نصوص صحیحہ اور اقوال سلف سے جو کچھ ہم کو معلوم ہو سکا، وہ یہ ہے کہ قبض ارواح کے بعد جب انبیاء علیہم السلام کو پھر سے زندہ کیا گیا ہے تو یہ زندگی تا قیامت ان کو بایں معنی حاصل ہے کہ ان کے ارواح کا زندہ ہونا تو ایک عام بات ہے جو ہر انسان کی روح کے لئے مان لی گئی ہے۔ البتہ قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد پھر مر جانے سے انبیاء علیہم السلام محفوظ ہیں۔ حضرات انبیاء کو صرف نفخ صور کے موقع پر غشی جیسی کیفیت لاحق ہوگی اور نفخہ ثانیہ کے موقع پر غشی مذکور سے افاقہ پائیں گے۔ قبور میں ان کے اجساد کو زمین میں رہنے کی وجہ سے باوجود مرور ایام وعصور کے کسی قسم کا تغیر نہیں آسکتا بلکہ ان کے اجساد قبر میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں دیگر عبادات حسب استطاعت کرتے رہتے ہیں، ان کی حیات شہداء کی حیات سے بہت قوی ہے۔ سلام کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود دیتے ہیں۔ قبر اطہر کے پاس حاضر ہو کر درود پڑھنے والوں کے درود وسلام کو بلا واسطہ بطور معجزہ[2] کے بذات خود سن لیتے ہیں دور افتادگان ومجبوران کا سلام ودرود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر میں نہایت شاندار طریقہ کے ساتھ بطور تحفہ وہدیہ کے داخل کیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گاہ میں پہنچایا جاتا ہے اور اس خدمت کے لئے ملائکۃ اللہ مامور موکل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام بھیجنے والوں کے نام ونسب اور قبیلہ سے ونیز درود وسلام کی تعداد سے مطلع کر دیئے جاتے ہیں۔

غرض کہ زندہ ہیں اگرچہ ان کی زندگی کو ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ ان تمام امور سے ایک سچا مسلمان خود بخود سمجھ سکتا ہے کہ عالم قبر میں جو حیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ونیز دیگر انبیاء کو حاصل ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اس سے زیادہ مختصر اور سادہ لفظوں میں یہ کہنا کافی ہے کہ ارواح کا باقی ہونا بجائے خود ایک امر مسلم ہے، اور نصوص صحیحہ متواترہ نے ثابت کر دیا کہ قبض ارواح کے بعد انبیاء کی ارواح کو ان کے اجساد کی طرف پھر لوٹا دیا گیا ہے۔ یعنی ارواح واجساد کا وہ تعلق جو مرنے کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے یہ تعلق پھر سے قائم کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے اجساد کو زمین کسی قسم کا نقصان پہنچا نہیں سکتی اور کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ اعادہ روح کے بعد پھر ان کی ارواح کو قبض کیا گیا ہے۔ بلکہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ اس کے خلاف پر قائم ہو چکی ہیں۔ (جیسا کہ اس رسالہ میں بالتفصیل پیچھے گزر گیا)

اسی بناء پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے حضرات بھی تصریح کرتے ہیں کہ: "موت الانبیاء انما هو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندر کهم وان کانوا احیاء موجودین، الخ"

ترجمہ: انبیاء کی موت کا مآل صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب کر دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے ہم ان کا احساس نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی۔

حیات انبیاء فی القبور مان لینے کے بعد "اهل هوی" کی طرف سے اس قسم کے سوالات بھی پیش کئے جاتے ہیں کہ کھانا، پینا، قضائے حوائج بشریہ ودیگر لوازم حیات کی کیا صورت ہو سکتی ہے، چونکہ یہ رسالہ درحقیقت

---

[1] وهو الغزالی والشاه ولی الله الدهلوی رحمہ اللہ فراجع حجة الله البالغة۔ ۱۲ منہ

[2] انسانی خصوصیت کے بناء پر ایک کمرہ میں دوسرے کمرہ کی آواز سن لینا یا قبر میں مدفون کا اگرچہ وہ زندہ ہی ہو باہر کی آواز سن لینا متصور نہیں۔ اس لئے یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کا سلام سنتے ہیں۔ ۱۲ منہ

صرف اہل حق اور متبعین کتاب وسنت کے لئے لکھا گیا ہے اور اس میں فن حدیث کے علاوہ بالذات کوئی دوسری بات درج کرنا منظور نہیں۔ اس لئے ایسے سوالات کے جوابات کی یہاں نہ تو ضرورت ہے اور نہ موقع۔ لیکن ''لیطمئن قلبی'' کے اصول کو پیش نظر رکھ کر فن حدیث ہی کا مناسب جواب یہ ہے کہ اہل جنت کا آخرت میں زندہ اور مرزوق ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل) مگر باوجود آں اطعمہ جنت کا لطیف ہونا اور ان سے ایسے فضلات کا جو ''اغذیہ دنیاوی کے لئے لازم ہیں'' پیدا نہ ہونا بھی اہل حق کے نزدیک ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ علاوہ برآں ہم کو نبی کریم ﷺ کی دنیاوی زندگی کے حالات معلوم کرنے سے بھی اس قسم کے سوالات کا جواب سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ ﷺ نے صوم وصال[1] سے امت کو منع کیا اور خود صوم وصال رکھتے رہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے وجہ دریافت کرلی تو جواب یہ میں ارشاد ہوا: ''انی لست کھیئتکم انی ابیت لی مطعم یطعمنی وساق یسقینی'' (صحیح بخاری باب الوصال)

ترجمہ: میری کیفیت[2] تم سے مختلف ہے، مجھے تو رات میں کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

یہی جواب اہل حق اور حدیث وقرآن کی پیروی کرنے والوں کو یہاں بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غیر انبیاء کو بے شمار خصوصیات کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ غیر انبیاء (یعنی ساری امت کو) ایسے صوم سے روک دیا گیا جو دن رات مسلسل رکھا جائے تاکہ ان کے قویٰ فنا نہ ہوں۔ (کیونکہ دن رات کی مسلسل بھوک سے عام طور پر آدمی کی طاقت ختم ہوجاتی ہے) برعکس آں رسول اللہ ﷺ ''صوم وصال'' کے سلسلہ میں لگاتار فاقہ کرکے کئی کئی دن تک دن رات کھانا پینا ترک کرتے تھے، مگر پھر بھی قویٰ میں یا زندگی کے کسی کاروبار میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی کسی قسم کا ضعف یا فتور دامن گیر ہوتا تھا اور اس کی وجہ آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ: ''مجھے غیر محسوس طریقہ سے بدن کے اندر باطنی غذا پہنچائی جاتی ہے۔'' اور اس کا نتیجہ بھی سب کے سامنے تھا کہ آپ ﷺ پر ذرہ برابر ضعف کمزوری کا اثر صوم وصال سے نمودار نہیں ہوتا تھا۔ جب دنیاوی زندگی میں آپ ﷺ کا یہ طرفہ ترماجرا نظروں کے سامنے آچکا ہے تو برزخ میں دنیا کی سی حیات کا حصول پھر اس کے ساتھ ساتھ کھانے پینے سے مستغنی ہوجانا یا باطنی اطعمہ واغذیہ کا آپ ﷺ کے وجود کے اندر پہنچ جانا کیسے مستبعد ہوسکتا ہے؟ ایک دیندار متبع حدیث اور کتاب وسنت کے پیرو کو اس کے مان لینے میں کوئی تردد وتامل نہیں ہوسکتا۔

قال فی ''المرقاۃ'' نقلا عن ابن حجر مانصہ: ''وما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیاۃ بہا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملئکۃ امر لا مریۃ فیہ''

ترجمہ: انبیاء کی ایسی حیات کہ جس کے سبب سے وہ اپنی قبور میں فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے مستغنی ہوکر عبارت کرتے اور نماز پڑھتے رہتے ہیں ایک ایسا امر ہے کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

''[3] وعلی ھذا الخ (صد) قالہ الحافظ فی ابواب الحج من الفتح بعد نقلہ قول القرطبی ''(حبست

---

[1] یعنی کئی کئی روز تک دن رات کچھ نہ کھانا نہ پینا: وقد ورد ان النبی ﷺ کان یواصل من سحر الی سحر اخرجہ احمد وغیرہ...... الوصال ان یمسک فی اللیل فجمیعہ کما یمسک فی النہار (فتح الباری باب صوم الوصال)۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ کیفیت الخ اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ قضائے حاجت کی جگہ پر براز کی قسم سے کوئی کثافت نہیں ہوتی تھی۔ ۱۲ منہ

[3] یہاں سے آخر تک عربی عبارت میں بھی مولف نے اسی مضمون کو درج کیا ہے جس کا ذکر رسالہ میں آچکا ہے، مگر اس کا فائدہ زیادہ تر اہل علم کو ہوسکتا ہے جو نصوص واقوال کی تطبیق اور ظاہری تدافع کے ازالہ کے خواہشمند ہوں اس لئے اس عبارت کا اردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔

الیهم العبادة فهم انما یتعبدون بما یجدونه من دواعی انفسهم لا بما یلزمون به کما یلهم اهل الجنة الذکر، الخ) ان تمام هذا التوجیه ان یقال المنظور الیه هی ارواحهم واما اجسادهم فهی فی القبور، الخ" (مر) لا ینافی کونه بل کون غیره من ائمة الحدیث قائلا بحیاة الانبیاء فی قبورهم اما اولا فلانه صرح کغیره فی مواضع بکونهم احیاء فی قبورهم یصلون واما ثانیا فلانه صحح حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" وایدما قاله البیهقی وما رواه من الاخبار فی هذا الباب واما ثالثا فلانه حمل قول القرطبی علی عبادة الارواح منفصلة عن الاجساد او متمثلة صورا مثالیة و معلوم ان محل التکلیف بنحو الصلاة والحج انما هی الاجساد مع انه معترف بان اجسادهم فی القبور وحیاتها فیها ثابتة عنده وعند المحدثین من دون شک وارتیاب۔ واما رابعا فما قاله فی ابواب الحج انما هو ابداع احتمال منه وما نقلناه عنه وعن غیره فهو اما احادیث واخبار او آثار واقوال للسلف الصالحین رضوان الله علیهم اجمعین واما خامسا فلانه صرح فی حق اجساد الانبیاء التی فی القبور بان لها حیاة فیها۔ فقد جنح الی ان موسی لا یصعق بالنفخة الاولی لا صعقة الموت ولا صعقة الغشی۔ ثم قال مانصه "لان الانبیاء احیاء عند الله وان کانوا فی صورة الاموات بالنسبة الی اهل الدنیا" وقال فی ابواب فضل ابی بکر رضی الله عنه من الفتح مانصه "ان حیاته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم الخ" وقال فی باب قول الله عزوجل واذکر فی الکتاب مریم مانصه "فلا یبعد ان یصلوا ای یحجوا ویتقربوا الی الله بما استطاعوا ما دامت الدنیا وهی دار تکلیف باقیة (فتح)" ونقل فی التلخیص عن کتاب الاعتقاد "الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء الخ" فغایة ما فی الباب ان یقال ان لاجسادهم فی القبور حیوة کاملة کسائر الاحیاء فی الدنیا وهی لیست بمنظورة الیها خارج القبور بل المنظور الیه خارجها کما فی الحج وغیره انما هی ارواحهم وهذا احد قولی المحدثین والقول الآخر ان المنظور الیه خارج القبور ایضاً انما هی اجسادهم بناء علی ما مر من انهم یرفعون عن قبورهم بعد الاربعین ویصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلهم الله کما اورده البیهقی فی الجزء عن ابن المسیب بهذا اللفظ ثم جری البیهقی علیه فانه اید حدیث انس رضی الله عنه بحدیث الاسراء والمعراج بناء علی ان الانبیاء الذین لقیهم النبی ﷺ فی القدس وفی السموات انما کانوا هناک بعد اعادة الارواح الیهم والاسراء کذا المعراج بهم کما فصلناه فی هذه الرسالة وتبعه الحافظ وغیره ایضاً۔ وبالجملة حیاتهم فی القبور امر مجمع علیه لا خلاف فیه للمحدثین ولا لاحد من اهل السنة اجمعین۔ وهذا هو الحق المتبع والحق احق ان یتبع ولیکن هذا آخر ما اردنا ایراده فی هذه العجالة۔ وقد شرعت فی تالیفها وتحریرها لاربع بقین من شهر صفر سنة ۱۳۹۵ھ تسع وخمسین بعد الالف وثلثمائة من هجرة خیر النبیین صلوات الله وسلامه علیه وعلیهم الی یوم الدین وختمتها فی آخر یوم من الشهر المذکور بین الظهر والعصر مع اشغال هنالک وعوائق بدت مرة بعد اخری اثناء ذلک۔ سائلا من الله ان یجعلها خالصة لوجهه الکریم۔ اللّٰهم اغفر لی وارحمنی ولوالدی ولکل من له حق علی ولجمیع المؤمنین۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین"

تتمہ

واعلم انی حصلت بعد الفراغ علی عبارات لجها بذة من اهل التحقیق فی تفسیر حیوۃ الانبیاء والشهداء وعامة الموتی فی البرزخ فاجبت ان اجعلها تتمة لهذه العجالة وهی هذه: قال السبکی مانصه: واعلم انه لابد من تفسیر الحیوۃ التی نثبتها للنبی ﷺ التی نثبتها للشهید وحیوۃ سائر الموتی ایضاً فاما النبی ﷺ فعد صاحب التلخیص من الشافعیه فی خصائصه ان ماله بعد موته قائم علی نفقته وملکه وقال امام الحرمین ﷺ ان ما خلفه بقی علی ما کان فی حیوته فکان ینفق ابو بکر رضی اللہ عنہ علی اهله وخدمه وکان یریٰ انه باق لعی ملک رسول الله ﷺ فان الانبیاء احیاء۔ واعلم ان هذا القول یقتضی اثبات الحیوۃ فی احکام الدنیا وذلک زائد علی حیوۃ الشهید والقرآن العزیز ناطق بموته ﷺ قال تعالیٰ انک میت وانهم میتون وقال ﷺ انی مقبوض وقال الصدیق رضی اللہ عنہ فان محمداً قد مات اجمع المسلمون علی اطلاق ذلک فالوجه اذا ثبت القول المذکور ان یقال ان ذلک موت غیر مستمر وانه احیی بعد الموت ویکون انتقال الملک ونحوه مشروطا بالموت المستمر والا فالحیوۃ الثابتة حیوۃ اخرویة ولاشک انها اعلیٰ واکمل من حیوۃ الشهید وهی ثابتة للروح بلا اشکال والجسد قد ثبت ان اجساد الانبیاء لا تبلی وعود الروح الی البدن سنذکره فی سائر الموتی فضلاً عن الشهداء فضلا عن الانبیاء۔ واما النظر فی استمرارها فی البدن وفی ان البدن یصیر حیاتها کحالته فی الدنیا او حیاة بدونها وهی حیث شاء الله تعالیٰ فان ملاذمة الحیاة للروح امر عادی لاعقلی فهذا مما یجوزه العقل فان صح به سمع اتبع وقد ذکرناه عن جماعة من العلماء وشهد له صلوۃ موسی علیہ السلام فی قبره فان الصلوۃ یستدعی جسدا احیا وکذلک الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الاجساد ولایلزم من کونها حیاة حقیقیة ان یکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذلک من صفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها حکم أخر فلیس فی العقل مایمنع من اثبات الحیاة الحقیقیة لهم واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک ان ذلک ثابت وسنذکر ثبوته لسائر الموتی فکیف بالانبیاء۔

(شفاء السقام فی زیارة خیر الانام ص ۲۴ للعلامة السبکی)

وفی السراج المنیر تحت حدیث جابر مانصه ﷺ عن جابر (مامن مسلم یسلم علیَ الا ردَ الله علیَ روحی) ای رد علی نطقی لانه حی دائما وروحه لاتفارقه لان الانبیاء احیاء فی قبورهم (حتی ارد علیه السلام)

(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر للعلامة الشیخ علی ابن الشیخ احمد الشهیر بالعزیزی ج ۳، ص ۲۶۰)

وقال الشوکانی فی شرح رد الروح مانصه: (قوله الا ردَ الله علی روحی) لفظ احمد الا ردَ الله الیَ روحی قال القسطلانی وهو الطف وانسب وبین التعدیتین فرق لطیف فان رد یتعدی قال الراغب بعلی فی الاهانة وبالی فی الاکرام قیل والمراد برد الروح النطق لانه ﷺ حی فی قبره لاتفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کذا قال ابن الملقن وغیره وقال ابن حجر الاحسن ان یؤول رد الروح محصول الفکر کما قالوه فی خبر (یغان علی قلبی) تحفه الذاکرین (شرح حصن حصین)

(للعلامه الشوکانی باب فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ ص ۲۸)